از
شوکت تھانوی

گرگٹ

مصنفہ
شوکت تھانوی

پبلشر
نسیم انہونوی

پرنٹر
سید توسل حسین یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ

قیمت فی جلد ۸؍

نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

گرگٹ

گرگٹ خالص

"نہ تنہا قاضیم اند کی طبیبم" والا مقولہ بھائی مقصود کے لئے تھا، اور بھائی مقصود...... اس مقولہ کی انسانی شکل میں شرح، دنیا کا کوئی علم اور فن ایسا نہ تھا جس میں ٹانگ اڑاتے ہوئے ان ذات شریف کو ذرا بھی تامل ہو، حالانکہ صرف ہماری نہیں بلکہ کالج بھر کی یہی رائے تھی کہ یہ حضرت ہر شعبۂ زندگی میں بالکل صفر واقع ہوئے تھے۔ مگر اس غلط فہمی کا کیا علاج کہ آپ اپنے کو اپنے وقت کا بقراط سمجھتے تھے۔ اور ذہن میں یہ جم گیا تھا کہ دُنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کو میں نہ انجام دے سکوں، نپولین کی طرح آپ کی لغت میں بھی ناممکن کا مفہوم پیدا کرنے والا کوئی لفظ نہ تھا، طالب علم تو خیر

تھے ہی لیکن اسی کے ساتھ ساتھ شاعر آپ تھے، ادیب
آپ تھے، موسیقی میں آپ کو مہارت حاصل تھی، کھانا
پکانے میں شاہی باورچی بھی آپ کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے
تھے، کپڑا سینے کا آپ کو ایسا دعویٰ تھا کہ کیا کسی سات
پشت کے درزی کو ہوگا۔ کپڑا دھونے میں کیپٹل لانڈری
لکھنؤ کے جابک دست دھوبیوں کے کان کاٹتے تھے طبّی
تبحّر کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے شفاء الملک اور سول
سرجن آپ کے سامنے طفل مکتب تھے، مذہبی معلومات میں
ملّا صاحب شور بازار کی پھڑکتی ہوئی جوڑ اگر کوئی
تھا تو صرف بھائی مقصود۔ مختصر یہ کہ آپ انجینئر تھے
آپ وکیل تھے، آپ ماہر سیاست تھے، آپ ملک التجار
تھے، آپ پہلوان تھے، آپ ملّاح تھے، آپ مصوّر تھے،
آپ فلاسفر تھے، اور آپ سب کچھ تھے، بس دیر اس کی
ہوتی تھی کہ ہمارے بھائی صاحب کے سامنے کسی قسم کا
کوئی مبحث چھڑ جائے پھر دیکھئے آپ کا تبحّر معلوم یہ

ہوتا تھا کہ یہ شخص معلومات کا ایک موجیں مارتا ہوا سمندر ہے اور اس مبحث خاص میں اس سے زیادہ معلومات دنیا میں کسی کو نہیں ہو سکتی۔

نظر ہی تو ہے اتفاق سے باورچی خانے کی طرف اُٹھ گئی اور آپنے باورچی کو گوشت بھونتے ہوئے دیکھ لیا کہنے لگے۔ "تمھیں خدا کی قسم، ذرا دیکھنا اس گدھے کے بچے کو، یہ گوشت بھون رہا ہے۔" ہم نے دیکھا تو وہ واقعی گوشت بھون رہا تھا، مگر ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ اس میں گدھے کے بچے ہونے کی کونسی بات ہے، لاکھ لاکھ غور کیا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہم نے کہا۔ "آخر وہ کیا کر رہا ہے۔" کہنے لگے، "ہشت" اور زور سے باورچی کو پکار کر کہا۔ "یہ آپ گوشت بھون رہے ہیں یا ڈنڑ پیل رہے ہیں اتنے دن ہو گئے باورچی کا پیشہ کرتے ہوئے اور اب تک دیگچی میں کفگیر چلانا نہ آیا۔" اُس کی جو آئی شامت تو کہہ اُٹھا "حضور پھر اور کیسے بھونوں...؟"

یہ سننا تھا کہ بھائی صاحب کی قابلیت میں ایک اُبال آگیا اور باورچی کو گوشت بھوننے کا سبق پڑھانے کے لئے صرف ایک سلیپر پہنے ہوئے باورچی خانے میں پہنچ گئے، اور باورچی کے ہاتھ سے کفگیر لیتے ہوئے بولے۔ "دیکھو اس طرح بھونتے ہیں۔" اور دیگچی اور کفگیر سے مندر کا گھنٹہ بجانا شروع کر دیا۔ باورچی ہاتھ باندھے دور کھڑا تھا اور بھائی صاحب پورے جوش و خروش کے ساتھ ناؤ کھینے کی طرح گوشت بھون رہے تھے کہ یکایک دیگچی اُلٹ کر چولھے میں آ رہی اور چولھے کے اندر آگ کے بجائے بوٹیاں نظر آنے لگیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ بھائی صاحب کو آج اپنی حماقت کا احساس ہوگا مگر اُنھوں نے تو قہر آلود نگاہوں سے باورچی کو گھورا، اور کفگیر پٹخ کر بولے۔ "اب تم کو چولھا بنانا بھی میں ہی سکھاؤں کہ چولھا کس طرح بنایا جاتا ہے، یہ آپنے چولھا

بنایا ہے جس پر وہ گھی بھی نہ ٹکے۔ بیوقوف، نالائق، گدھا
چلا ہے وہاں سے باورچی کی دُم بننے۔"

یہ کہتے ہوئے بھائی صاحب تو کمرے میں آ گئے
اور ہم کو یہ فکر ہوئی کہ اب کیا کھائیں گے؟

ہم تھے بیمار اور علاج تھا ڈاکٹر انصاری کا،
کہیں ایک دن بھائی مقصود نے ہم کو دوا پیتے ہوئے
دیکھ لیا، کہنے لگے۔ "کیا پی رہے ہو؟" عرض کیا۔ "دوا
ہے۔" حیرت سے بولے "خیر تو ہے؟"

ہم نے کہا۔ "تم کو معلوم نہیں کہ میں کس قدر بیمار
ہوں۔"

کہنے لگے۔ "یہ تو معلوم ہے۔ مگر یہ دوا کس کی ہے۔؟"
ہم نے کہا۔ "ڈاکٹر انصاری کی۔"

بھائی صاحب نے یہ سنتے ہی کچھ اس طرح منہ بنایا
گویا ہم سخت بے وقوف ہیں۔

کہنے لگے۔ "یہ ڈاکٹر انصاری کی دوا پینا کیا معنی؟

ہم نے جل کر کہا۔ ”نہیں تو کیا تمھارا علاج کروں؟“
نہایت سنجیدگی کے ساتھ زوردار لہجہ میں فرمایا۔ ”خیر میں کوئی ڈاکٹر تو ہوں نہیں مگر یہ ضرور جانتا ہوں کہ ان ڈاکٹر انصاری صاحب سے اچھی ہی دوا تجویز کردوں گا۔ ان کے علاج سے بھلا کیا فائدہ ہوگا اس سے تو مہاتما گاندھی کا علاج کرتے۔“

ہم نے حیرت سے پوچھا۔ ”مہاتما گاندھی کا علاج؟“
کہنے لگے۔ ”اور کیا اگر کسی ماہر طب کا علاج کرنا ہے تو کسی باقاعدہ حکیم یا ڈاکٹر کا علاج کرو۔ بیچارے ڈاکٹر انصاری کو تو اب طب یاد بھی نہ رہی ہوگی وہ تو سیاست کے پیچھے سب کچھ بھول گئے۔ ان کا علاج تو واقعی ایسا ہے جیسے کوئی عقل کا دشمن گاندھی جی یا پنڈت جواہر لال نہرو کا علاج کرنا شروع کردے۔“

ہم نے کہا۔ ”تو پھر کس کی دوا پیوں؟“
کہنے لگے۔ ”میاں تمھارا مرض بھی کوئی مرض ہے،

معمولی سی کھانسی ہے اور بخار تم تو میرا ایک چٹکلا استعمال کرو کہ دونوں وقت کھانا کھانے کے بعد لیموں کا شربت پی لیا کرو، اور یہ جو چولھے کی مٹی ہوتی ہے نا اس میں تھوڑا سا سیاہ نمک ملا کر دن میں چار پانچ مرتبہ چاٹ لیا کرو بس۔"

بتائیے کہ ان حضرت کے مشوروں پر عمل کرنے والا کتنے دن زندہ رہ سکتا تھا، خیر یہ تمام باتیں تو اس لئے قابل برداشت تھیں کہ ان کا تعلق محض ان کے مشوروں سے تھا، ہمارے عمل سے نہ تھا، لیکن ان میں ایک مرض یہ بھی تو تھا کہ ان کو مختلف قسم کے دورے اُٹھا کرتے تھے، مثلاً کھانا پکانے کا دورہ کہ بیٹھے بٹھائے یہی ذہن میں آگیا کہ اپنی ہاتھ کا پکا ہوا کھانا زیادہ پر لطف ہے، ممکن ہو اُنکے لئے پر لطف ہوتا ہو مگر ہمارے لئے تو ایک مصیبت ہوتا تھا ایک دن صبر کیا دو دن صبر کیا آخر ہم نے اُن سے کہا کہ "یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟

کہنے لگے۔ "بھائی اب تو میں نے طے کر لیا ہے کہ بس دست خود دہان خود، اور واقعی جو مزہ اس میں آتا ہو کسی بات میں نہیں آتا، اپنی مرضی کا کھانا کچھ انسان خود ہی بہتر پکا سکتا ہے۔"

ہم نے کہا۔ "تو پھر ہم اپنے لئے کیا انتظام کریں۔"

کہنے لگے۔ "انتظام کیا کرو گے۔ آخر میں تو پکاتا ہی ہوں۔"

ہم نے صاف گوئی سے کام لے کر کہا۔ "بھائی صاحب ہم کو تو آپ معاف ہی رکھیں۔ ہم سے یہ جیل خانے والا کھانا نہیں کھایا جاتا۔"

لاپروائی سے بولے۔ "تو تم خود پکا لیا کرو۔"

ہم نے کانوں پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔ "نا بابا یہ میرے بس کا روگ نہیں۔"

شفقت آمیز انداز سے فرمایا۔ "انسان کو ہر کام آنا چاہیئے۔ اب مجھ ہی کو دیکھو میں کبھی کسی کا محتاج نہیں،

رہ سکتا۔ یہ نہیں کہ ایک وقت ملازم نہیں تو بھوکا پڑا رہوں۔"

ہم نے کہا۔ "تو بھائی جب تم کو آتا ہے تو اس فن کو اسی دن کے لئے اٹھا رکھو۔ جب ملازم نہ ہو، یہ کیا کہ ملازم بھی ہے، اور کھانا بھی خود پکا رہے ہیں۔"

فیصلہ کن جواب دیتے ہوئے کہا۔ "تم کو اگر پسند نہیں ہے تو تم اپنا کھانا ملازم سے پکوا لیا کرو، میں تو عہد کر چکا ہوں کہ دست خود دہان خود۔"

مختصر یہ کہ ہمارا کھانا باورچی پکانے لگا اور بھائی مقصود اپنا کھانا خود پکاتے رہے، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد بھائی مقصود کا عہد بھی باورچی ہی کو نباہنا پڑا۔

ہم سے نہ رہا گیا اور ہم نے آخر ان سے کہہ ہی دیا۔

"کیوں جناب وہ عہد کیا ہوا؟"

ہنس کر کہنے لگے۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند"

ایک مرتبہ سائیکل سے ہوئی نفرت اور ان سواری کا

شوق چرایا۔ چنانچہ سائیکل تو ہوئی نیلام اور ایک میلہ سے جاکر ٹٹو خرید لائے۔ جس پر بیٹھ کر بھیک مانگنے کے انداز سے ران سواری شروع کردی گئی مگر تھوڑے دنوں میں وہ ٹٹو بھی نخاس کی ہوا کھاتا ہوا نظر آیا۔ اور پھر سکنڈ ہینڈ بائسکل کی تلاش شروع ہو گئی۔ اسی طرح موسیقی کے شوق نے ایسا گدگدایا کہ ہارمونیم خرید لائے اور مجھ پر زور پڑنے لگا کہ طبلہ کی جوڑی خرید کر طائفہ مکمل کردوں مگر میں ابھی اس حماقت کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ وہاں موسیقی سے طبیعت سیر ہو گئی اور ہارمونیم بیچ کر نیلامی بندوق خریدلی گئی اور اب شکار کے فوائد پر روز لکچر سنائے جانے لگے، اور بھائی مقصود اچھے خاصے شکاری بن گئے۔ بندوق کے عروج کے بعد بھی زوال کا زمانہ آیا، اور اس کی جگہ کیمرے نے لے لی۔ اب بھائی مقصود فوٹو گرافر تھے۔ آرٹسٹ تھے، اور دعویٰ یہ تھا کہ اس فن میں بڑے بڑوں کو اکھا

طاق پر بٹھا دیں گے۔ لیکن ابھی اس کیمرہ کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ آپ کو قلمی مصوّری کا سودا ہوا، اور چغتائی کو نیچا دکھانے کی فکر دن رات رہنے لگی۔ عجیب عجیب بیڈھنگی تصویریں دن میں پچاسوں کی تعداد میں بنتی تھیں اور ہر تصویر کی ہم سے گلا گھونٹ کر داد لی جاتی تھی۔ ہمارا کمرہ تھا کہ اُن کے نزدیک نگار خانۂ چین بنا ہوا تھا۔ اور ہمارے نزدیک آسیب خانہ واللہ رات کو وہی ڈراؤنی تصویریں خواب میں آ آ کر ہم کو پریشان کرتی تھیں۔ مگر بھائی مقصود کسی طرح مانتے ہی نہ تھے۔ خیر خدا خدا کر کے یہ شوق بھی بہت جلد اپنی انتہا کو پہونچ گیا، اور اب آپ کو شاعری کی سوجھی۔ یہ بھی ہمارے لئے ایک مصیبت تھی، جب دیکھئے کچھ تازہ کلام ہمارا دماغ خراب کرنے کے لئے تیار رہے۔ اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے ہر وقت ہم کو وہ خرافات جواہر افکار سنائے جاتے تھے اور ہم مردہ بدست زندہ بن کر نہ صرف

سنتے تھے بلکہ ہم کو داد بھی دینا پڑتی تھی،
شاعری کے بعد انشا پردازی کا دور شروع ہوا۔ اور اس میں بھی ہماری خوب خوب شامت آئی کہ بھائی مقصود ہیں کہ اپنا شیطان کی آنت کی طرح لمبا اور اونٹ، امرود، آگرہ والے تک کا مضمون سنا رہے ہیں، اور ہم ہیں کہ درد سر کے مارے بیتاب دونوں ہاتھوں سے سر تھامے ہوئے ان کا مضمون سُن رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ بھی پوچھا جاتا تھا کہ "کہو اس مضمون سے ہلچل مچ جائے گی نا؟" ہم کو کہنا پڑتا تھا کہ یقیناً۔
مختصر یہ کہ بھائی مقصود کی یہی حرکتیں تھیں جن کی وجہ سے پہلے تو کالج میں ان کا نام "باوحشت" رکھا گیا، پھر "بھائی گڈبڑ" کہلائے، پھر "مستان" مشہور ہوئے۔ پھر "قوس قزح" کہلانے جانے لگے۔ اور آخر میں "گرگٹ" کا خطاب دیا گیا۔ جو اس وقت تک بچہ بچہ کی زبان پر ہے، حالانکہ کوئی ان کے سامنے کہدے تو وہ اب بھی اپنی اور کہنے والے کی جان ایک کر دیں۔

مسٹر

١٨

ہسٹر

جب کالج میں داخلہ کے لئے بھائی مقصود تشریف لائے ہیں تو سلیدار باریک انگرکھے پر لکھنؤ کی مشہور و معروف دوپلی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، پیروں میں جالی کھلا ہوا چوڑی دار پاجامہ تھا اور ہاتھ میں چھتری، لیکن جب داخلہ کے بعد ان کو بورڈنگ میں رہنا پڑا اور وہاں کی آب و ہوا نے ایک طرف سے اثر کیا اور دوسری طرف "مرزا ریشمی" کی پھبتی سے ناک میں دم ہوا تو آپنے ترکی ٹوپی شیروانی یا ترکش کوٹ میں رہنا شروع کر دیا اور رفتہ رفتہ بورڈنگ کے تجربہ کار اور گھاگ طلبا میں آپ کا بھی شمار ہو گیا، لیکن ان کی حالت میں صرف یہیں تک تغیر نہیں ہوا کہ انگرکھا چھوڑ کر ترکش کوٹ پہننا اور دوپلی ٹوپی کی جگہ ترکی ٹوپی استعمال کرنے لگے بلکہ ان پر تو کچھ صاحبیت کا

ایسا غلبہ ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ حد دل سے گذرنے لگے۔ مونچھیں چھوٹی ہونا شروع ہوئیں، یہاں تک کہ آخر کار غائب ہوگئیں حقہ کی جگہ سگریٹ نے لے لی تھی مگر اب سگریٹ کی جگہ سگار اُڑنے لگا۔ کوٹ اور پتلون بنوائے گئے، ہیٹ خریدی گئی آنکھوں کے امتحان کی ضرورت محسوس ہوئی اور چشمہ بھی لگ گیا۔ مختصر یہ کہ دیکھتے ہی دیکھتے مرزا ارشمی مکمل صاحب بہادر بن کر رہ گئے اور اب ان کا مقابلہ بورڈنگ کا شاید کوئی طالب علم بھی جہاں تک فیشن کا تعلق ہے نہیں کرسکتا تھا۔

ہم نے ان کے ان ذاتی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا۔ حالانکہ ہم کمرہ ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہونے کی حیثیت سے ہم بھائی صاحب کی خدمت میں بہت بڑی حد تک گستاخ بھی تھے، لیکن ایک دن جب سوٹ اور بوٹ سے لیس ہو کر بھائی صاحب سگار کا دھواں تمام کمرے میں فیاضی کے ساتھ منتشر کر رہے تھے اور شاید کہیں جانے کے لئے تیار

بیٹھے۔ ہم سے نہ رہا گیا اور ہم نے کہہ ہی دیا:۔
"مقصود یہ تو بتاؤ کہ کیا تمہارا قومی اور ملکی لباس
اس قدر ناقص ہے کہ تم غیروں کی وضع اختیار کرو۔"
مسکرائے اور بالکل ناصحانہ انداز سے سگار کا دھواں
چھوڑتے ہوئے فرمایا۔ "ہمارا ملکی اور قومی لباس؟ تمہارا
مطلب یہ ہے کہ ہندوستانیوں کا ملکی اور قومی لباس، ہاں
وہ ناقص تو نہیں ہے مگر نامعقول ضرور ہے۔"
ہم نے اپنے غصہ کو پی کر کہا۔ "وہ کیسے؟"
بس بھائی مقصود پتلون کی کریز درست کرتے ہوئے
کرسی پر بیٹھ گئے اور سگار منہ میں دبا کر خالص ولائتی لب و
لہجہ میں کہنے لگے۔ اس انگریزی لباس سے انسان کو تم جانتے
ہو کیا محسوس ہوتا ہے؟"
ہم نے بات کاٹ کر کہا۔ "یہی کہ بندر کی طرح نقل اُتار
رہا ہے۔"
جھڑک کر بولے۔ "میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔

تم خاموشی سے سنو کہ مقصود ایسا احمق نہیں ہے جس نے فضول یہ وضع اختیار کی ہوگی۔ تم کو دراصل معلوم ہی نہیں کہ انگریزی لباس میں کیا خوبیاں ہوتی ہیں جس وقت کوئی انسان سوٹ پہن کر تیار ہو جاتا ہے اس کو خودبخود اپنے میں ایک مستعدی ایک چستی اور ایک جفاکشی کی طاقت محسوس ہوتی ہے اور وہ غیر محسوس طور پر زیادہ سے زیادہ کام انجام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ بہتر سے بہتر ہندوستانی لباس پہن کر بازار میں نکلیں لیکن جو امتیاز ایک معمولی سے دو کوڑی کے سوٹ کو حاصل ہوگا، وہ آپ کے قیمتی ہندوستانی لباس کو حاصل نہ ہوگا۔ آپ ریل میں سفر کیجئے اور بیش قیمت ہندوستانی لباس پہن لیجئے مگر یہ دو کوڑی کے قلی آپ کی ایک نہ سنیں گے اور جہاں کوئی ہیٹ والا ان کو نظر آجائے گا بس نانی ہی تو مر جائے گی، بات یہ ہو کہ اس لباس میں کچھ خداداد رعب ہوتا ہے اور بھائی میں تو یہ کہتا ہوں کہ سوٹ

پہن کر انسان خود اپنی نظروں میں باوقعت ہو جاتا ہے
دوسروں کا تو ذکر ہی نہیں۔"

ہم نے کہا۔ "ہاں یہ ایک بات تم نے کہی ہے، کہ
انسان خود اپنی نظر میں باوقعت ہو جاتا ہے۔"

کہنے لگے "ہاں کبھی تم سوٹ پہن کر دیکھو تو سہی کہ
تمہاری روح میں کس قدر بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔"

عرض کیا۔ "اس خاکسار کو تو خیر تخبش ہی دیجئے
ابھی میرا ضمیر بفضلہ بقید حیات ہے۔"

تعجب سے کہنے لگے۔ "کیا معنی؟"

عرض کیا کہ "معنی یہ کہ اگر ایک طرف میری روح
میں بالیدگی پیدا ہوگی تو دوسری طرف یہ بھی خیال پیدا
ہوگا کہ مجکو دیکھنے والے کیا کہتے ہوں گے اور خود وہ
لوگ جن کا ملکی اور قومی لباس سوٹ ہے، میرے لئے
کیا رائے قائم کریں گے۔"

ایک تجاہل عارفانہ سے فرمایا۔ "میں نہیں سمجھا۔"

میں نے ذرا دبنگ ہو کر کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ خود انگریز مجھ ہندوستانی کو انگریزی لباس میں دیکھ کر میری غلامانہ ذہنیت، میری فتح نما شکست میری کمزوری اور میری کورانہ تقلید پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔"

غصہ سے سرخ ہو کر اور دانت پیس کر بولے۔ "تم بھی سخت جاہل ہو، اس قدر پڑھ لکھ کر بھی تمہاری کھوپڑی میں گوبر بھرا ہوا ہے، آخر میں پوچھتا ہوں کہ مہذب انگریز کسی ہندوستانی کو تہذیب کی طرف آتا ہوا دیکھ کر کیوں ہنسنے لگے۔؟"

عرض کیا۔ "ہنسیں گے اس لئے کہ انھوں نے آپ کے ملک میں آکر اور آپ کے ملک میں رہ کر آپ کی وضع کبھی اختیار نہیں کی، آپ نے ان کو کبھی انگرکھا اور دوپلی ٹوپی یا شیروانی اور پاجامہ پہنے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن آپ اپنے ہی ملک میں رہ کر صرف ان کو دیکھ کر ان کا چربہ اُتارتے ہیں اور پھر یہ پوچھتے ہیں کہ اس میں

ہنسی کی کونسی بات ہے۔"

کچھ لاجواب سے ہو کر ادھر اُدھر گردن کو جھٹکا دیا، اور جواب سوچنے کے لئے بجھے ہوئے سگار کو جلا کر بولے "تم سے میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستانی لباس سخت نامعقول ہوتا ہے، پھر بھلا انگریز اپنا معقول لباس چھوڑ کر تمھارا نامعقول لباس کیوں پہنتے۔"

ہم نے کہا۔ "جس طرح بغیر ثبوت کے آپ ہندوستانی لباس کو نامعقول کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح میں انگریزی لباس کو نامعقول کہتا ہوں۔"

کہنے لگے۔ "ہاں ہندوستانی لباس نامعقول ہے۔"

میں نے ترکی بہ ترکی کہا۔ "ہاں انگریزی لباس نامعقول ہے۔"

عاجز آ کر کہنے لگے۔ "تو پھر یہ قضیہ طے ہی نہیں ہو سکتا، اس بحث میں اُلجھنا تضیع اوقات ہے۔"

عرض کیا۔ "تو پھر جانے دیجئے۔"

کہنے لگے۔" میں پھر کہتا ہوں کہ انگریزی لباس کی معقولیت کو ہندوستانی لباس کی نامعقولیت سے کوئی نسبت ہی نہیں، اچھا السلام علیکم۔"

ابھی وہ چار ہی قدم گئے ہوں گے کہ واپس آکر کہنے لگے۔" اور ہاں ہیٹ کے فوائد ملاحظہ فرمائیے ٹوپی کی ٹوپی اور چھتری کی چھتری۔"

عرض کیا۔" تو پھر سر پر چھتری ہی کیوں نہ پہنا کیجئے۔"
کہنے لگے۔" تم تو ہو خبطی، جاتے ہیں بھئی اب ورنہ آج کا فلم رہ جائے گا۔"

فیشن اور انگریزیت کے معاملے میں بھائی مقصود کی شدت پسندی صرف لباس ہی کی حد تک نہ رہی بلکہ اب تو ان کی تمام تر کوشش یہی تھی کہ تمام انگریزی معاشرت کو گھول کر پی جائیں، اور ہندوستانی طرز معاشرت کو جس طرح بھی ہو سکے جلد سے جلد چھوڑ دیں، چنانچہ اب بغیر میز اور چھری کانٹے کے کھانا نہیں کھا سکتے تھے بغیر

کموڈ کے قبض ہو جاتا تھا۔ بغیر فیس پاٹ کے پیشاب کا ہونا ناممکن تھا اور بغیر ٹب کے غسل نہیں کر سکتے تھے۔ ان سے ہم نے ان تمام چیزوں کے متعلق ایک ایک کرکے بحث کی چھری کانٹے سے کھانا کھانے کے متعلق انھوں نے کہا کہ ہاتھ سے چھو کر کھانا کھانے کے معنی یہ ہیں کہ زہر کھایا جا رہا ہے اس لئے کہ نوالے میں ناخن کا مس ہونا سمیت پیدا کر دیتا ہے، کموڈ کے متعلق ان کا نظریہ یہ تھا کہ اس طرح رفع حاجت کرتے ہوئے بھی انسان شریف اور معزز معلوم ہوتا ہے اور یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ کوئی گندی بات کر رہے ہیں۔ ٹب میں غسل کرنے کو انھوں نے طبی نقطۂ نظر سے مفید بتایا۔ مختصر یہ کہ ان کے پاس ہر بات کا ایک جواب تھا، اب وہ معقول ہو یا نہ ہو، اس سے کوئی بحث نہیں۔ بہرحال وہ سوائے اپنے چمکدار سیاہ رنگ کے باقی بالکل انگریز ہو چکے تھے۔ البتہ ان سے شرط صرف یہ تھی کہ جس دن بھی انھوں نے فیشن کے جنون

میں آ کر سنگ پرستی شروع کی بس اُسی دن سے وہ اپنے کمرے میں خوش اور ہم اپنے کمرے میں خوش نظر آئیں گے اور اُنھوں نے ہم سے یہ اقرار کرا لیا تھا کہ ہم ان کے ساتھ ہال میں ناچنے والیوں کے سامنے ان کے ساتھ ہوٹل میں برج کھیلنے والوں کے سامنے اور ان کے دوسرے بھیٹیجر اور کرانی دوستوں کے سامنے ان کے ہندوستانی یا مسلمان ہونے یا نہ ہونے والی بحث کبھی شروع نہ کریں گے اور ان کے اس جدید انقلاب پر بھی کوئی تبصرہ نہ کریں گے۔ ہم اپنے وعدہ پر قائم تھے۔ حالانکہ جب یہ کمبخت ڈونگ کی ہانکتا تھا تو نفس کشی ہی کرنا پڑتی تھی۔ اور وہ کتے والے معاملے میں اپنے وعدہ پر قائم تھا۔ حالانکہ بغیر کتے کے اس کا تمام فیشن اور تمام صاحبیت نامکمل تھی۔ غالباً یہی دوطرفہ رواداری تھی کہ ہم دونوں اس اجتماعِ ضدین کے بعد بھی ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔

لیکن جب بھانڈا پھوٹنے والا ہوتا ہے تو اس کے

انتظامات قدرتی طور پر خود بخود ہو جاتے ہیں۔ ایک دن بھائی مقصود مجسم بدھو میسیح بنے ہوئے اپنے خالص دیسی صاحب لوگ دوستوں میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ناگاہ ان کے والد بزرگوار مع جبہ و دستار لاٹھی ٹیکتے ہوئے آپہونچے۔ جہاں تک میرا خیال ہے بھائی مقصود یہ طے کئے ہوئے تھے کہ جب گھر جائیں گے تو کچھ مونچھیں بڑھائیں گے اور وہ ہندوستانی نامعقول لباس جو اب تک محفوظ تھا پہن کر چلے جائیں گے۔ لیکن اس ناگہانی طور پر والد ماجد کے پھٹ پڑنے کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ ہم خود ششدر رہ گئے کہ اس وقت بھائی مقصود کس منھ سے اپنے ہندوستانی باپ کے سامنے آئیں گے۔ مگر واللہ بھائی مقصود نے تو کمال ہی کر دیا کہ پہلے تو نہایت گرم جوشی اور سعادتمندی کے ساتھ اپنے خالص سودیشی باپ سے ملے، پھر گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے کہ سنو ایک بات، اور کان میں کہنے لگے۔ "دیکھو ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ میرے

جو دوست بیٹھے ہوئے ہیں ان کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ یہ میرے باپ ہیں۔

میں نے برجستہ کہا۔ "اجی لاحول ولا قوۃ تم نے بھی کیا مجکو نرا بے وقوف سمجھا ہے۔ اول تو اس کا موقع ہی نہ آنے دوں گا کہ کوئی یہ سوال کرے اور اگر کسی نے پوچھا تو کہہ دوں گا کہ مسٹر مقصود کے والد کے خانساماں ہیں۔"

ہنس کر کہنے لگے۔ "ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے۔"

وہ تو کہئے کہ کسی نے یہ سوال ہی نہیں کیا ورنہ ہم واقعی طے کر چکے تھے کہ یہی جواب دیں گے کہ "یہ حضرت مسٹر مقصود کی ماما کے خانساماں ہیں۔۔۔"

فلم اسٹار

فلم اسٹار

سینما جانے کا شوق ہم کو بھی ہے اور عام طور پر انگریزی جاننے والے سینما سے دلچسپی لیتے ہیں۔ لیکن بھائی مقصود کو شوق نہیں بلکہ سینما سے عشق تھا چنانچہ آندھی آئے یا پانی برسے لیکن وہ شام کو پکچر پیلس میں نظر آتے تھے اور دنیا کی کوئی بات ان کے اس پروگرام میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن ہم نے ان کے اس پرچھائیوں والے عشق کو کبھی کوئی سنجیدہ صورت نہ دی بلکہ ہم خود ہر فلم تبدیل ہونے کے دن عام طور پر ان کے ساتھ جایا کرتے تھے۔ لیکن اب تو ان کے پاس سینما سے متعلق لٹریچر اور فلمی رسائل بھی آنا شروع ہو گئے جو غالباً انھوں نے خود منگانا شروع کئے ہوں گے۔ اور رفتہ رفتہ ان کے

باس صرف ایک ہی دلچسپ مبحث رہ گیا تھا جو یہ تھا، کہ
ڈگلس فیربنکس میں کیا کیا محاسن ہیں، اور کیا کیا معائب
چارلی اور ہیرلڈ لائڈ کے مزاج میں کیا فرق ہے۔ مس
سلوچنا اور مس گجن میں کیا خامیاں ہیں، اور خود انہیں
فلم اسٹار بننے کی صلاحیت کس قدر قدرتی طور پر ٹھونس
ٹھونس کر بھری گئی ہے۔ ہم کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی
تو نہ ہوتی تھی، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم اُلجھتے بھی نہ تھے
مگر آپ ہی بتائیے کہ جب ہر وقت ہمارا ناک میں دم
کیا جانے لگا اور جب ہر وقت یہی ذکر ہوگا تو پھر ہم بھی
انسان ہیں فرشتہ نہیں، آخرکار سنیما اور فلم کا مبحث
ہماری دُکھتی ہوئی رگ بن گیا۔ ان کو جس قدر اس
ذکر سے دلچسپی ہوتی تھی اُسی قدر ہم کو وحشت، ان کو
جس قدر شوق بڑھ رہا تھا اُسی قدر ہماری نفرت
ترقی کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ اس خاص معاملہ میں
ہماری اور ان کی حیثیت بالکل فریقین مخالف کی سی

ہو گئی۔ لیکن ہم کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہمارے بھائی مقصود اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔ اس میں غریب سینما یا بیچارے فلم کا کوئی قصور نہیں ہر فلم دیکھنے والے کا اگر یہی حال ہو جاتا تو آج یہ دنیا فلمستان یا بکچر پیلس نظر آتی اور ہر انسان فلم اسٹار ہوتا۔ لیکن ہم بھی سینما دیکھتے ہیں، آپ بھی سینما دیکھتے ہوں گے خدا نہ کرے کسی کا حال بھائی مقصود کی طرح ہو جائے کہ لیٹے ہیں تو تمام فلمی قابلیت صرف کر کے سونے کا پارٹ ادا کر رہے ہیں بیٹھے ہیں تو کبھی مصنوعی تبسم چہرے پر پیدا کر رہے ہیں اور کبھی نمائشی غصہ کو اصلی غصہ سے ملا رہے ہیں حد و جہد ہو رہی ہے۔ کھڑے ہیں تو اپنے تیور سے بالکل روڈالف والنٹینو بنے جاتے ہیں۔ کبھی اکڑ کر ڈگلس فیربینکس کو مات کرتے ہیں۔ چل رہے ہیں تو کبھی چارلی کی چال ہے اور کبھی ڈگلس کی جست، بات کیجئے تو کبھی ہیرلائڈ کی طرح حماقت مآب چہرہ بنا کر سنتے ہیں اور کبھی میری پکفورڈ

کی طرح ایک ادائے دلبری سے۔ مختصر یہ کہ اب وہ مجسم سینما ہو کر رہ گئے تھے اور رہی سہی جو معقولیت تھی وہ بھی تشریف لیجا چکی تھی۔ اُن سے بات کرنے کو اسلئے دل نہ چاہتا تھا کہ ہر بات کے جواب میں وہ کوئی ایک ایکٹ کا ڈرامہ دکھا دیتے تھے۔ اور ان کی حرکتوں سے اس بلا کی کوفت ہوتی تھی کہ وہ سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے کسی وقت بھی اپنے سینما پن سے باز نہیں آتے تھے، کوئی ہو یا نہ ہو در و دیوار کے سامنے ایکٹنگ ہوتی تھی۔ غسلخانہ میں تھرکتے تھے۔ ٹینس کھیلنے میں فلم والی تھرتھراہٹ موجود ہوتی تھی۔ کھانے کی میز پر ہر لقمہ باقاعدہ ایکٹنگ کے ساتھ منھ میں جاتا تھا۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ افسانہ تو خیر وہ اچھی طور پر رہ گئے تھے البتہ فلم بن گئے تھے اور صرف ان ہی میں تمام مشہور فلم اسٹارس کا لطف آتا تھا۔

ہم کو سب سے زیادہ کوفت اس وقت ہوتی تھی،

جب ہم اور وہ پہلو بہ پہلو سینما ہال میں بیٹھ کر کوئی فلم دیکھتے تھے۔ اس وقت ہم تو تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔ ڈرامہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے اور خاموشی کے ساتھ اُس سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ مگر بھائی مقصود عین اسی وقت اپنے فلمی تبحر کا سکہ جمانا چاہتے تھے۔ اور بات بات پر وہ طول طویل تبصرہ اور تنقید کرتے تھے کہ خدا جانے ان کے اسی تبصرہ میں ڈرامہ کہاں سے کہاں پہونچکر کم سے کم ہمارے لئے تو خبط ہی ہو جاتا تھا۔ ہم پہلے تو مروّت برتتے تھے۔ پھر شرافت سے ان کو خاموش رہنے کے لئے کہتے تھے اور آخر میں لڑائی تک یہ نوبت پہونچ جاتی تھی مگر وہ صرف تھوڑی دیر کے لئے ہماری اس بد مذاقی سے مایوس ہو کر چپ ہو جاتے تھے۔ اور پھر وہی دخل در معقولات۔ مختصر یہ کہ ان کے ساتھ سینما جانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ اور یہ صرف ہم ہی تھے کہ معاملہ رفع دفع ہو جاتا تھا ورنہ کوئی اور

ہوتا تو فوجداری ہو جاتی۔

کتنا دلچسپ منظر تھا کہ جولیٹ اپنے بالاخانے پر کھڑی ہوئی روميو میں کھوئی ہوئی تھی اور روميو صحن باغ میں دریچے کے نیچے کھڑا ہوا اپنی جولیٹ میں ڈھونڈھ رہا تھا اور دونوں طرف سے انتہائی رومانی پیام ایک دوسرے کو پہنچائے جا رہے تھے کہ بھائی مقصود نے میرا شانہ پکڑ کر ہلایا اور کہنے لگے کہ "دیکھا کیسی زبردست ٹھوکر کھائی ہے؟"

میں فلم میں غرق تھا، بالکل عالم خواب کی طرح کہدیا۔ "ہوں۔"

کہنے لگے۔ "اس قسم کی لغزشوں سے پورا فلم تباہ ہو جاتا ہے، دیکھ رہے ہو تم کہ یہ انگریزی فلم بھی بعض اوقات کس قدر ناقص ہوتے ہیں۔"

میں نے فلم پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ "ہوگا بھی"

کہنے لگے۔ "اچھی کہی آپنے ہوگا بھی، ارے یہی باتیں

دیکھنے کی ہوتی ہیں۔ تم سمجھے بھی نہ ہوگے کہ فلم ڈائرکٹر صاحب کیا حماقت کر گئے ہیں۔"

ہم نے پھر عالم مدہوشی میں کہا۔ "ہوں۔"

کہنے لگے۔ "بات یہ ہے۔"

ہم نے کہا۔ "اچھا خیر فلم دیکھو۔"

ہمارا شانہ ہلا کر اور گردن زبردستی اپنی طرف پھیر کر بولے۔ "ان حضرت نے لغویت یہ کی ہے کہ جولیٹ کو تو دکھایا ہے کوٹھے کے اوپر اور رومیو کو دکھایا ہے کوٹھے کے نیچے باغ میں، لیکن منظر ایسا ہے کہ دونوں کو ایک ہی سطح پر ہونا چاہئے تھا۔"

میں نے غصّہ سے کہا۔ "پھر میں کیا کروں؟" لیکن اب جو فلم دیکھتا ہوں تو وہاں تلوار چل رہی تھی خدا جانے اتنی دیر میں کیا کیا ہو گیا۔ جی میں آیا کہ بھائی مقصود کا منہ نوچ لوں کہ عین اسی وقت ان حضرت کو پھر شانہ ہلانے کی ضرورت پیش آگئی۔

کہنے لگے۔" یہ دیکھئے تلوار کی جنگ میں بھلا کشتی کا کونسا تک ہے۔؟"

میں نے ڈانٹ کر کہا۔ " پھر آپ کا اجارہ؟"

کہنے لگے"۔ اجارہ تو خیر کچھ نہیں ہے۔ مگر تمھیں خدا کی قسم بتاؤ تو کہ اس کشتی کا کونسا تک تھا؟"

اب میں نے غلم کو تو جہنم میں ڈال دیا اور اس ظالم بھائی مقصود کی طرف متوجہ ہو کر جس قدر گالیاں یاد تھیں سب ایک زبان میں دے ڈالیں۔ اور ان سے قطعی طور پر کہدیا کہ اگر تم نے اپنی اس حرکت کو نہ چھوڑا تو میں ابھی چلا جاؤں گا اور آئندہ کبھی تمہارے ساتھ اس طرح وقت برباد کرنے اور روپیہ خراب کرنے نہ آؤں گا۔" لیکن اب جو اسکرین کی طرف دیکھتا ہوں تو ایک چڑیا چونچ میں " انٹروِل " لئے کھڑی تھی جی چاہتا تھا کہ بھائی مقصود کی اور اپنی جان ایک کردوں۔ لیکن وہ اب میرے غصّہ کو سمجھ کر چپ تھے۔

اور تمام درمیانی وقفہ میں بھولے رہے حالانکہ اس وقفہ میں ان کو اختیار تھا کہ دل کھول کر تنقید کرتے جس طرح جی چاہے تبصرہ کرتے اور جس قدر دل چاہتا بکتے، لیکن ہم نے بھی ان کو منانے کی کوشش نہ کی اس لئے کہ پھر وہ باقی نصف بھی دیکھنے نہ دیتے۔ انٹرول کے ختم ہونے کے بعد ہم دونوں اس طرح اپنی جگہ پہ آکر بیٹھ گئے کہ ع

"تم اپنا منھ اُدھر کرلو ہم اپنا منھ اِدھر کرلیں"

اور نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فلم دیکھتے رہے لیکن بھائی مقصود اپنی عادت سے مجبور تھے، بار بار پہلو بدل رہے تھے، اور ان کا دل بیتاب تھا کہ کسی طرح رائے زنی شروع کر دیں۔ لیکن چونکہ ہم سے لڑائی ہو چکی تھی، لہٰذا ہم سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے البتہ خود ہی کبھی تو مضحکہ خیز ہنسی ہنستے تھے۔ کبھی خود ہی "لاحول ولاقوۃ" کہتے اور کبھی "ہش" کہکر ناک بھوں چڑھا لیتے تھے۔ آخر ان سے نہ رہا گیا اور ایک موقع پر بے اختیار ہو کر کہنے لگے۔

"تو پھر کہو گے کہ میں بولتا ہوں مگر واللہ دیکھو تو یہ گدھا پن، یہ لوگ فلم بناتے ہیں، یا گھاس کھودتے ہیں۔"
مجکو بھی ہنسی آ گئی اور میں نے ہنس کر نہایت خوشامد سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "للٰلہ اب آدھا ہی فلم دیکھ لینے دو۔"
کہنے لگے۔ "میں فلم دیکھنے کو تھوڑی منع کرتا ہوں، اگر ہاں یہ باتیں بھی تو نوٹ کرتے جاؤ۔"

میں نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے کہا۔ "بس سب کر رہا ہوں۔" اور پھر تماشا دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ کہ اُنھوں نے مجکو جھنجھوڑ کر نہایت جوش سے فرمایا۔ "بھئی واللہ کمال کر دیا۔ واہ وا واہ، سبحان اللہ یہ کام صرف ایک انگریز یا امریکن ایکٹر ہی کر سکتا تھا۔ سمجھے تم اس ظالم نے کیا کمال دکھایا ہے۔"

میں نے لاپروائی سے کہا۔ "ہوسٹل چل کر سمجھیں گے۔"
سینہ پر ہاتھ رکھ کر گردن کو فلمانہ ادا سے جنبش دیکر بولے۔ "بہت اچھا سرکار، آپ تو خفا ہی ہوئے جاتے ہیں

سینما کیا دیکھتے ہیں کہ گویا لڑے مرتے ہیں، میرا تو یہ مقصد ہے کہ اگر تم نے دام خراب کئے ہیں اور وقت برباد کیا ہے تو کچھ حاصل بھی کر لو۔ تم نہیں چاہتے تو جانے دو، بالخیر شما بسلامت،"

میں چپ رہا، کہ اس وقت ان کا اسی طرح روٹھ جانا میرے حق میں اچھا ہو گا۔ اور واقعی ان کے روٹھے رہنے سے ایک قسم کا سکون بھی تھا کہ میں پوری توجہ کے ساتھ فلم دیکھ رہا تھا اور گو کہ بھائی مقصود اس ڈرامہ کو بیڑے لے تھل بنا چکے تھے مگر چونکہ میں یہ ڈرامہ پڑھ چکا تھا لہذا جو مناظر دیکھنے سے رہ گئے تھے ان کا سلسلہ یاد کر کے ملا لیا تھا اور اب فلم میری سمجھ میں آرہا تھا کہ یکایک بھائی مقصود کی برہمی ختم ہو گئی، اور آپ پورے جوش و خروش کے ساتھ مجھ پر چھاپہ مار کر بولے۔ "دیکھا تم نے۔"

میں نے بجائے ان کو جواب دینے کے اپنی ٹوپی اُٹھائی اور کھٹ پٹ کرتا ہوا سینما ہال سے

باہر نکل آیا، مقصود منہ کھولے اور آنکھیں پھاڑے ہوئے اپنی سیٹ ہی پر رہ گئے۔

ہم ہوسٹل پہونچ کر بار بار کان پکڑ کر توبہ کر چکے تھے کہ اب کبھی اس خبطی کے ساتھ سنیما نہ جائیں گے، اور چارپائی پر لیٹے ہوئے آج کی تضیع اوقات پر خود ہی جل رہے تھے کہ سامنے سے بھائی مقصود اپنی نائٹ کیپ ہاتھ میں لئے ہوئے شرابیوں کی ڈگمگائی ہوئی چال میں آتے نظر آئے اور یکایک مجکو دیکھتے ہی ان کی چال جارحی بین والی ہو گئی، مجکو بے ساختہ ہنسی آ گئی، مگر میں نے ان پر غصّہ کا اظہار کرنے کے لئے اپنی ہنسی ضبط کر لی اور خاموش پڑا رہا۔ انھوں نے کمرے میں آ کر پہلے تو ڈگلس کی طرح اپنی ٹوپی دور ہی سے کھونٹی کی طرف پھینکی جو بجائے کھونٹی کے زمین پر گر کر تھوڑی سی گولدا ر ہو گئی پھر پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر منھ سے سیٹی بجانے لگے۔ اسوقت وہ بالکل متحرک تصویر بنے ہوئے تھے۔ میں خاموش تھا۔

بلکہ ان کی طرف دیکھنا بھی نہ چاہتا تھا مگر اُنھوں نے خود ہی مجھ سے کہا۔ "تم بھی عجیب احمق ہو"

میں نے غصہ سے جواب دیا۔ "میں معافی چاہتا ہوں"

کہنے لگے۔ "اوہو، طرہ یہ کہ آپ خفا بھی ہیں؟"

میں نے کہا۔ "نہیں، میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ آئندہ آپ کے ساتھ سنیما نہ جاؤں گا۔"

کہنے لگے۔ "اچھا تو اپنے ساتھ مجکو لے جایا کرنا، وہ تو ایک ہی بات ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں اس سلسلہ کو سنجیدگی کے ساتھ ختم کر چکا ہوں اور اب اس بحث پر کوئی گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔"

کہنے لگے۔ "تمہاری یہ خفگی بالکل احمقانہ ہے اور قصہ صرف یہ ہے کہ تم کو جولیٹ کا پارٹ کرنے والی ایکٹرس نے اس قدر مسحور کر لیا ہے کہ تم میری مخالفت نہ سُن سکے۔ لیکن میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ جولیٹ

کے بارے میں بہت سی خامیاں تھیں۔ اول تو۔۔۔"
میں فلسفہ کی ایک کتاب کے صفحہ ۳۱۵ کی گیارہویں سطر پر تھا کہ آخر مجکو بھائی مقصود کے لکچر کی آواز دبانے کے لئے باآواز بلند کتاب پڑھنا پڑی اور میں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گیا، اس لئے کہ بھائی مقصود بھی جھک مار کر چُپ ہو گئے، مگر وہ دن اور آج کا دن کہ ہم دونوں کبھی ساتھ ساتھ سینما نہیں گئے بلکہ اگر کسی دن وہ سینما ہال میں نظر آجاتے تھے تو میں دو روپیہ کا ٹکٹ لئے ہوئے چار آنے والے درجے میں ڈر کے مارے گھُس جاتا تھا۔ مجکو در اصل "چونّی والوں" کی تالیاں اور سیٹیاں گوارا تھیں، مگر ان حضرت کی بکواس سے تو میری روح ہی کانپتی تھی۔

ریشائیل

ریشا بیل

تعطیلات کلاں کے بعد کالج کا پہلا دن بالکل روزِ محشر کا نمونہ ہوتا ہے کہ ہر ایک نفسی نفسی پکارتا پھرتا ہے۔ لیکن اللہ رے عشقِ صادق کہ اس دن بھی ہم اپنے بچھڑے دوستِ مقصود کے لئے دیوانہ وار ہر طرف آنکھیں پھاڑے اور آغوشِ شوق وا کئے ہوئے پھر رہے تھے کہ وہ مل جائے تو اس کو آنکھوں میں بٹھائیں اور کلیجہ سے لپٹا کر دل میں رکھ لیں لیکن اس صبر آزما کا کہیں پتہ نہ تھا۔ ہمارا شوق اور تمام جوش و خروش، یاس اور نا اُمیدی کی صورت میں تبدیل ہوا جاتا تھا کہ یکایک بم کے دھماکے کی طرح "السّلام علیکم" کہکر وہ ہمارے لپٹ گیا، ہم نے حیرت سے کہا۔ "مقصود ؟"

کہنے لگے:۔ "اچھے تو رہے، دُبلے بہت ہو گئے ہو۔"

ہم نے کہا۔ "یہ کیا؟"

کہنے لگے۔ "یہ، الحمدللہ کہ ڈاڑھی ہے۔"

ہم نے ان کی سرسید نما ڈاڑھی کو دیکھ کر کہا۔ "ڈاڑھی تو ہے، مگر یہ کیسے؟"

داڑھی پہ ہاتھ پھیر کر اور اس کو بٹیر کی طرح مٹھیا کر کہنے لگے۔ "کیوں کیا بُری معلوم ہوتی ہے؟"

ہم نے کہا۔ "بُری یا اچھی کا سوال نہیں پہلے یہ تو بتاؤ کہ یہ اصلی ہے یا خریدی ہے؟"

سنجیدگی سے ہنس کر فرمایا۔ "ارے یار رہنے بھی دو اس غریب کو، تم یہ بتاؤ کہ چھٹیاں کیسے گذریں؟"

میں نے مصر ہو کر کہا۔ "یہ تو سب بتائیں گے، پہلے اس ڈاڑھی کا حدود اربعہ، وجہ تسمیہ اور مقام وقوع وغیرہ سب ایک سرے سے بتا چلو۔"

آپ نے پھر اپنی کھیتی پہ ہاتھ پھیرا اور ایک فخر کے انداز میں بولے۔ "بھائی تم دیکھ رہے ہو کہ یہ ڈاڑھی

ہے۔ ظاہر ہے کہ میں نے رکھی ہو گی۔ اب یہ سوال ہے کہ کیوں رکھی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں ایک مرد مسلمان ہوں میرا فرض ہے کہ شریعت اسلامی کی پابندی کرتے ہوئے ڈاڑھی رکھوں۔ چنانچہ میں نے الحمد للہ کہ اس فرض کو محسوس کیا اور ڈاڑھی رکھ لی، بس"

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ہاں صاحب خدا جس کو توفیق دے وہی تمہاری طرح ہو سکتا ہے۔"

آپ نے انکسار کے ساتھ ڈاڑھی پر دست شفقت پھیرتے ہوئے گردن جھکالی۔

تھوڑی ہی دیر میں بھائی مقصود کی ڈاڑھی کی خبر برقی لہر کی طرح تمام ہوسٹل میں پھیل گئی اور ہوسٹل کے تمام لڑکے اس عجیب و غریب چیز کو دیکھنے کے شوق میں ہمارے کمرے کے اندر اور باہر جمع ہو گئے۔ بیچ میں وہ بزرگ ترین ہستی تشریف فرما تھی جس کو سب بھائی مقصود کہتے ہیں، اور چاروں طرف ان کے معتقدین کا ہجوم تھا۔ ایک نے کہا۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور"

دوسرا بولا۔ "بڑی مشکل سے ایک روپیہ میں ملی ہے"۔

تیسرے نے کہا۔ "بارش کے زمانے میں آرام رہے گا

ایک اور آواز آئی۔ "خضاب کے بکس پر آپ کی تصویر دیکھی تھی۔"

کسی اور نے کہا۔ "ہم سب کو آج ہی آپکے دست مبارک پر بعیت کرنا چاہیے"۔

کوئی اور بولا۔ "اس کی کٹائی کا ٹھیکہ نیلام ہونے والا ہے۔"

اب بھائی مقصود سے ضبط نہ ہو سکا، آپنے اپنی جھکی ہوئی گردن اُٹھا کر غضبناک نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر غصہ سے ہکلاتے ہوئے فرمایا۔ "آپ لوگوں کو شرم تو نہیں آتی اپنے مذہب کا مذاق اُڑاتے ہوئے اگر اپنے دین و ایمان کی پروا نہیں ہے تو کم سے کم دوسرے کے مذہبی جذبات کا خیال کیجئے، یہ مسخرہ میرا نہیں ہے، بلکہ

مذہب کا مضحکہ ہے، خدا و رسولؐ کی دل لگی ہے۔"
اس غضبناک تقریر کے جواب میں ایک گونج جانے والے قہقہہ کی آواز بلند ہوئی اور بھائی مقصود کا چہرہ کوہ آتش فشاں بن گیا۔ انھوں نے منھ سے جھاگ اُڑاتے ہوئے کہا۔ "ڈاڑھی اور مونچھ مُنڈا کر زنانی صورت بنانے والے مردوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے کس قدر اچھے معلوم ہو رہے ہیں۔"
تمام کمرہ قہقہوں سے ہل گیا۔ مگر بھائی مقصود دیپک راگ کی طرح اپنی آتش بار تقریر فرما رہے تھے۔ "ڈاڑھی کا مضحکہ اور یہ زنانوں کا منھ" لا حول ولا قوۃ، خدا کے نور کی توہین اور یہ مسلمانوں کے بچے"، استغفر اللہ، ۔۔۔۔ شریعت اسلام کا مذاق، اور یہ نام نہاد مسلمان نعوذ باللہ، معلوم ہوا کہ قہقہے کمرہ کی چھت لے اُڑے اور بھائی مقصود کی ڈاڑھی خود بخود کانپنے لگی انھوں نے گرج کر کہا۔ "میں اس دل آزار مذاق کے لئے تیار نہیں ہوں اور اگر آپ

سلوگ نہ مانے تو مجکو۔۔۔۔"

"ڈاڑھی منڈوا دینا پڑے گی۔" ایک آواز،

"ڈاڑھی کون مونڈے گا، دیکھوں تو اس بڑے کی صورت۔" بھائی مقصود نے اُچک کر کہا۔

آواز آئی۔ "نائی، حجام، سیفٹی ریزر۔"

بھائی مقصود کا تمام جسم تھر تھرا رہا تھا، اور شدتِ غیظ سے الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہو رہے تھے، آپنے ڈاڑھی کو نوچنے کے انداز سے اپنے پنجے میں لے کر کہا۔ "بدتمیز۔۔۔ نالائق کہیں کے۔۔۔ لونڈے پن کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔۔۔۔ بیہودہ نہیں تو۔۔۔۔۔ اچھا آپ لوگ اس کمرے سے نکل جائیں۔۔۔۔۔۔ گیٹ آؤٹ۔۔"

شہاب نے کہا۔ "آخر اس قدر بگڑنے کی کون سی بات ہے؟"

"بگڑنے کی کوئی بات ہی نہیں۔ سبحان اللہ، یعنی

ڈاڑھی کی کھلی ہوئی توہین ہو، اور کوئی بگڑے بھی نہیں۔" بھائی مقصود نے آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہا۔"

شہاب نے ان کو چمکارتے ہوئے کہا۔" ارے میاں آپس میں اس قسم کے مذاق ہوا ہی کرتے ہیں تم ڈاڑھی نہیں چھیڑ لگالو۔ مگر ہمارے لئے وہی مقصود ہو گے جو ہمیشہ تھے۔"

کہنے لگے۔" جی نہیں میں ڈاڑھی کے معاملے میں بالکل مذاق پسند نہیں کرتا یہ مذہبی معاملہ ہے"

میں نے کہا۔" واقعی آپ لوگ اس مذاق کو ختم کر دیں اس لئے کہ ہمارے مولانا اس معاملہ میں حد سے زیادہ سنجیدہ ہیں اور یہ مذاق اگر سنجیدہ ہو گیا تو اچھا نہ ہو گا۔"

بھائی مقصود نے کانپتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

" آ۔ آ۔ آخر میں پو۔ پو۔ پوچھتا ہوں کہ۔ کہ۔ کہ

کیا یہی اک مذاق رہ گیا ہے۔ تو میں ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتا ہوں، میں باز آیا اس مذاق سے۔"

اس وقت تو خیر سب ایک ایک کر کے وہاں سے چلے گئے، لیکن اب بھائی مقصود کی ڈاڑھی ایک مستقل لطیفہ تھی اور یہ ناممکن تھا کہ کوئی ان کو دیکھ کر ڈاڑھی پر بے ساختہ ہنس نہ دے اور ایک آدھ فقرہ نہ کسے، قدم قدم پر بھائی مقصود سے جنگ ہوتی تھی، اور ہر ہر منٹ پر کوئی نہ کوئی ان کی ڈاڑھی سے اُٹھ کر ان کے عتاب کا شکار ہو جاتا تھا۔ ہوسٹل سے لے کر کالج تک اور طالب علموں سے لے کر پروفیسروں تک کے حلقے میں ہر جگہ بھائی مقصود کی ڈاڑھی کی دھوم تھی۔ اور یہاں ان کی ڈاڑھی تھی کہ روز افزوں ترقی کے ساتھ پھیلتی جاتی تھی۔ کالج کے میگزین میں "چور کی ڈاڑھی میں تنکا" کے عنوان سے کسی نے ایک مضمون بھی لکھ مارا، جو بقول بھائی مقصود کے براہ راست ان ہی سے

تعلق رکھتا تھا اور اگر وہ چاہتے تو مقدمہ چلا کر مضمون نگار سے
لے کر ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر، بلکہ میگزین کے تمام پڑھنے والوں
تک کو جیل کی سیر کرا سکتے تھے، اور وہ میگزین بحق ملک معظم
یا کم سے کم بحق "ریش مقصود" ضبط ہو سکتا تھا، مگر ہم
لوگوں کے سمجھانے کی وجہ سے بھائی مقصود خاموش
رہے، لیکن یہ باتیں تو ان کے بھی ضبط سے باہر تھیں کہ
جب کلاس میں جائیے تو ان کی تصویر مع ڈاڑھی کے
بلیک بورڈ پر موجود، لڑکے تو لڑکے اُستادوں کا یہ
حال تھا کہ جب کبھی بھائی مقصود کو شرمندہ کرنا چاہتے
تھے، ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ آپ اپنی حرکتوں کو دیکھئے اور
اس ڈاڑھی کو،، یونین کے جلسوں میں جب کبھی بھائی
مقصود پہونچ جاتے تھے تو سب تالیاں بجا کر اور کھڑے
ہو کر آپ کا استقبال کرتے تھے، اور اس وقت تک
"ریڈ شائیل، ریڈ شائیل،" کے نعرے بلند ہوتے رہتے تھے
جبتک کہ "آرڈر، آرڈر" کے نعرے مع ہاتھوں کے

بلند ہو کر ان نعروں کو دبا نہیں دیتے تھے۔ پھر اُس پر طرّہ بھائی مقصود کا غصہ تھا۔ مختصر یہ کہ ایک عجیب ہنگامہ تھا جو بھائی مقصود کی ڈاڑھی نے ہر طرف برپا کر رکھا تھا۔ اور سچ پوچھئے تو اب بھائی مقصود کا بھی ناک میں دم تھا، کبھی تو وہ ارادہ کرتے تھے کہ اب پڑھنا وڑھنا چھوڑ کر فقیری لے لیں، کبھی ان کا دل چاہتا تھا کہ اس کالج ہی کو چھوڑ دیں جس میں اس قدر نامعقول طالب علم بھرے ہوئے ہیں، اور غالباً کبھی کبھی وہ یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ اس اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے یعنی ڈاڑھی کو جو اپنے پورے شباب پر پہنچ کر لہلہا رہی تھی جڑ سے اُکھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن کچھ تو وضعداری کا پاس تھا اور کچھ ڈاڑھی کی (یعنی اپنے کئے کی) شرم کہ وہ برابر ڈاڑھی سے نباہ کر رہے تھے۔ ان کا اندازہ آپ کو بھی ہو گیا ہو گا۔ لیکن صبر کی ایک حد ہوتی ہے۔ اور جب صبر آزما

حالات حد سے گذر جاتے ہیں تو مضبوط سے مضبوط کیرکٹر کا انسان متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہی حال بھائی مقصود کا ہو گیا تھا کہ ایک طرف تو وہ ڈاڑھی کے خلاف ایجی ٹیشن کا نہایت مردانگی سے مقابلہ کر رہے تھے اور دوسری طرف ان کو ہر وقت یہ فکر تھی کہ آخر ہو گا کیا؟ ہم کو ان کی اس بدحواسی کا اندازہ تھا، لیکن چونکہ وہ اپنی بدحواسی کو ہم سے بھی چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لہٰذا ہم کو بھی اس معاملہ میں خاموش ہی رہنا چاہیے تھا، اور ہم واقعی خاموشی کے ساتھ اس وقت کے منتظر تھے۔ جب بھائی مقصود کے صبر کا پیالہ چھلک جائے مگر آخر کار وہ وقت آہی گیا، اور ایک دن رات کو ایک بجے کے قریب بھائی مقصود نے ہم کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا

"کیا سو رہے ہو؟"

میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ "کیا چور ہے؟"

چپکے سے کہنے لگے۔ "نہیں مجکو کچھ باتیں کرنا ہیں۔

بہت ضروری، بالکل پرائیویٹ اور خاص قسم کی۔"
میں نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔" غڑاپ۔۔۔
بسم اللہ۔"
کہنے لگے۔" میرا تو ناطقہ بند کر رکھا ہے۔"
میں نے کہا۔" ایک فلٹ کی پچکاری لے آؤ، بغیر اس کے مچھر جائیں گے نہیں، اور ان کمبختوں سے ناطقہ ہی نہیں بند ہے بلکہ ہر وقت ملیریا کا بھی اندیشہ ہے، جس طرح اب تم جاگ اُٹھے ہو، ابھی کچھ دیر پہلے میں بھی جاگ رہا تھا۔"
جھڑک کر بولے۔" میں کچھ کہہ رہا ہوں آپ کچھ سمجھ رہے ہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ ان کالج کے لونڈوں نے اچھا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ اور اب تو پروفیسر صاحبان بھی میری زندگی دشوار کئے ہوئے ہیں، ہر وقت ڈاڑھی کا طعنہ ہر وقت ڈاڑھی پر پھبتیاں۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں،

کالج چھوڑدوں، تعلیم کو جہنم میں ڈالوں، ڈاڑھی سے ہاتھ دھولوں، آخر کیا کروں، عقل کام نہیں دیتی، تم ہی کچھ بتاؤ۔"

میں نے کہا۔ "اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ارے ظالم اتنی سی بات کے لئے تو نے میری نیند حرام کردی میں تو یہ سمجھا تھا کہ کوئی ڈاکہ پڑا ہے یا کوئی قتل ہوگیا ہے یا زلزلہ آیا ہے۔"

متعجب سے کہنے لگے۔ "اور یہ معاملہ کیا کوئی معمولی ہے، آپ پر یہ مصیبت گذر رہی ہوتی تو آپ اس کی اہمیت کا اندازہ کرسکتے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے کوئی فیصلہ کن رائے دیدو، تاکہ میں اس مصیبت سے نجات پاجاؤں۔"

میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو صبح تک آنکھیں بند کرکے غور کرنے کا موقع دو، پھر کچھ مشورہ دیں گے۔"

کہنے لگے۔ "واللہ میں چارپائی اُلٹ دوں گا اور خدا کی قسم سونے نہ دوں گا، ورنہ کوئی راستے دو۔"
میں نے جلدی سے کہا۔ "اچھا تو ڈاڑھی..."
بات کاٹ کر بولے۔ "کیا کہا۔ ڈاڑھی صاف کرا دوں؟ ناممکن ہے۔"
میں نے کہا۔ "تو پھر صبح کچھ اور بتائیں گے اسوقت یہی ایک ترکیب ذہن میں آئی تھی۔"

بھائی مقصود نے خلاف عادت اس وقت معقولیت سے کام لیا، اور اپنی چارپائی پر جا کر لیٹ رہے، اور ہم ادھر آنکھیں بند کر کے یہ جا اور وہ جا۔
صبح اُٹھے تو بھائی مقصود غسل خانے میں ڈنڑ پیل رہے تھے، ہماری آواز سنتے ہی برآمد ہو گئے۔
ہم نے ان کو دیکھتے ہی بے ساختگی سے چیخ کر کہا "ہیں" اور وہ ایک ہاتھ میں ڈاڑھی لئے ہوئے دوسرا ہاتھ اپنے صاف کلوں پر پھیر رہے تھے۔ ہم اسی طرح

آنکھیں پھاڑے ہوئے ان کو دیکھ رہے تھے کہ انھوں نے داڑھی والے ہاتھ کو بلند کر کے کہا۔ "اس کا خون کالج والوں کی گردن پر ہے اور تم بھی ان میں شامل ہو۔"

میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟"

داڑھی کی لاش بے کفن کو حسرت سے دیکھ کر بولے۔ "جو کچھ تم لوگوں نے چاہا وہ ہو گیا۔ جو خدا کو منظور تھا وہ ہوا۔"

میں نے کہا۔ "اب تو اور بھی مذاق اُڑے گا۔"

غصہ سے سرخ ہو کر بولے۔ "اچھا مذاق ہے کہ نہ مرتے چین نہ جیتے چین، اب اگر مذاق ہوا تو جانتے ہو کہ میں بھی پٹھان ہوں۔ اور میرے بھی خون میں افغانی جوش موجود ہے۔"

میں نے کہا۔ "خانصاحب! یہ تو صحیح ہے مگر۔۔۔"

کہنے لگے۔ "اب اگر مگر کچھ نہیں جو تم نے

رات کو مشورہ دیا تھا، اور جو تم سب کا متفقہ مطالبہ تھا وہ ہو گیا۔"

میں واقعی بت بنا کھڑا تھا اور مجھکو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہ آتا تھا کہ بھائی مقصود کی ڈاڑھی اس طرح یکایک خواب و خیال ہو گئی۔ بھائی مقصود مرحومہ کو مٹھی میں لئے ہوئے حسرت سے دیکھ دیکھ کر سہلا رہے تھے کہ اس حادثہ کی اطلاع ہوسٹل بھر میں پہونچ گئی۔ اور ہر شخص جس طرح بیٹھا ہوا تھا اسی طرح آکر کمرے میں شریکِ غم ہو گیا۔ اس وقت تو بھائی مقصود سے جو جو چہ میگوئیاں چلی ہیں اُنکا ذکر کرنا ہی فضول ہے لیکن شام تک ہوسٹل کے نصف طلبا نے سیاہ بلّے بازو میں لگا کر ڈاڑھی کے غم میں ایک جلسۂ تعزیت منعقد کر دیا جسمیں بھائی مقصود سے اظہارِ ہمدردی کیا گیا اور ڈاڑھی کی مغفرت کے لئے دعا لیکن اِن دونوں جلسوں سے بھائی مقصود اسقدر متاثر ہوئے کہ دوسرے ہی دن سے چھٹی لیکر اپنے حجرہ میں معتکف ہو گئے اور چھٹی کے بعد جب حجرۂ اعتکاف سے نکلے ہیں تو ڈاڑھی مرحومہ کا نعم البدل اُنکے چہرہ پر موجود تھا

لیڈر

لیڈر

ڈاکٹر انصاری کی تقریر کا سب سے زیادہ اثر بجائے مقصود پر ہوا کہ ہم لوگ ”ہائیں ہائیں“ کرتے رہ گئے اور وہ تیر کی طرح اسٹیج پر پہونچ کر ٹوپی، شیروانی، کرتا وغیرہ اتار اتار کر پھینکنے لگے اور ایک کھدر کی تہبند باندھ کر پاجامہ بھی فوراً اتار کر پھینک دیا اس لئے کہ وہ بھی بدیشی کپڑے کا بنا ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی انھوں نے ایک خاص جذبہ کے ماتحت نہایت موثر تقریر کی تھی جس کا صرف یہ حصہ ہم کو اس وقت بھی یاد تھا اور اب بھی یاد ہے کہ

”میں صرف کالج کے طالب علموں کے لئے ایک نمونہ بنا ہوں

وہ مجکو دیکھ کر سبق (درس عبرت) لیں اور سودیشی کی ترویج میں اپنے فرایض کو محسوس کریں"

اس واقعہ کے بعد سے بھائی مقصود ایک عذاب الہی تھے جو کالج پر عموماً ہوسٹل پر خصوصاً اور ہم پر خاص الخاص طریقہ پر نازل کیا گیا ہو۔ ہر وقت یہی سُودیشی اور بدیشی کا جھگڑا تھا اور وہ کسیوقت بھی کھدر پرچار سے باز نہیں آتے تھے انکو سب سے زیادہ شکایت اس خاکسار سے تھی کہ ہر وقت کی نصیحت کے باوجود ہم ابتک کھدر پوش کیوں نہ ہوسے تھے اور ہمارے لئے یہ مصیبت تھی کہ اب اگر ہم خود بھی بدیشی کے مقابلہ میں سُودیشی کے حامی ہو جاتے تو محض اس لئے کھدر وغیرہ نہیں پہن سکتے تھے کہ بھائی مقصود پہن رہے تھے اور ان کے پہن لینے کے بعد جو شخص بھی کھدر پہنتا اس کو دنیا تو خیر جو کچھ سمجھتی وہ سمجھتی لیکن بھائی مقصود اپنا براہ راست چیلہ ضرور سمجھ لیتے اور گاندھی جی بھی اس معاملہ میں منہ دیکھ کر رہ جاتے وہ کھدر پرچار محض اسی وجہ سے کر رہے تھے کہ کم سے کم اسی

معاملہ میں اولیت کا سہرا ان کے سر رہے اور باقی تمام ہوسٹل والے اور ان کے ہم جماعت طالب علم ان کو اپنا قائد اعظم سمجھ لیں ورنہ گیا وجہ تھی کہ وہ کبڑی بڑھیا کی طرح یہ چاہتے تھے کہ اگر خود کبڑے ہو گئے ہیں تو اپنے تمام ساتھیوں کو کبڑا کر دیں۔

بہر حال جو کچھ بھی ہو لیکن وہ ایک نہایت سرگرم قومی آدمی بن گئے تھے اور یہ تو خیر وقت کی بات ہے ورنہ سچ پوچھئے تو ان کو کانگریس کا صدر ہونا چاہئے تھا، مقامی کانگریس کمیٹی کا صدر نہیں ضلع کی کانگریس کمیٹی کا صدر نہیں بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر منتخب ہونے کا حق اب براہ راست بھائی مقصود کو پہونچ رہا تھا اور واقعی یہ ان کا ایثار تھا کہ وہ اپنے ہوتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، ڈاکٹر انصاری، مسز سروجنی نائیڈو وغیرہ کو صدر ہوتا ہوا دیکھتے تھے اور چپ تھے۔

ان کے اس قومی انہماک کا یہ عالم تھا کہ پہلے تو خدا جانے

وہ صبح اٹھ کر کلمہ پڑھتے بھی تھے یا نہیں لیکن اب تو آنکھ کھلتے ہی ,, انقلاب زندہ باد ،، کا نعرہ بلند کرتے تھے اور اس کے بعد ہی ضروریات سے فارغ ہو کر بجائے نماز پڑھنے یا مطالعہ کرنے کے چرخہ لے کر بیٹھ جاتے تھے اور اس سودیشی عبادت میں دوپہر کر دیتے تھے اس کے بعد کلیجہ پر پتھر رکھ کر بقول خود تضیع اوقات کے لئے کالج جاتے تھے اور وہاں تمام وقت اسی سودیشی پرچار میں صرف کرتے تھے کہ جب دیکھئے دس پانچ لڑکوں کے غول میں کھڑے ہوئے حصول سوراج کے امکانات پر لکچر دے رہے ہیں یا کسی ولایتی کپڑا پہننے والے طالب علم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ کالج سے واپسی پر وہی چرخہ والا وظیفہ اور رات کو اپنی سودیشی تقریروں سے ہمارے دماغ کو چرخہ بنانے کی کوشش۔ رات کو سونے کے بعد کا ہم کو کچھ علم نہیں، البتہ خیال یہی ہے کہ اپنی صدارت کانگریس کے خواب دیکھتے ہوں گے۔

ہم کو بھائی مقصود سے زیادہ اپنے اوپر تعجب تھا کہ ہم بھائی مقصود کے ساتھ کس طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے حالات کے ماتحت اب تک کس طرح زندہ تھے۔ حال یہ تھا کہ نہ وہ ظالم خود پڑھتا تھا نہ ہم کو پڑھنے دیتا تھا، نہ خود اس کو چرخہ کے علاوہ کسی مشغلہ سے دلچسپی تھی نہ ہم کو دلچسپی لینے دیتا تھا، بس ان کا تو دل یہی چاہتا تھا کہ ہم بھی ان کی نقل مطابق اصل بن کر ان کی طرح کہیں کے بھی نہ رہیں، کتاب لیکر بیٹھے تو انھوں نے چرخہ چلاتے ہوئے کہا

"کیا پڑھ رہے ہو؟"

ہم نے کہا "ہاں، پھر"

طنز کے ساتھ ہنس کر فرمایا "کچھ نہیں، مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر اس ناقص تعلیم کا کیا نتیجہ ہے"

میں نے اس سمندر کی طرح طویل بحث کو کوزہ میں بند کر کے کہا "امتحان قریب ہے"

کہنے لگے ,,بفرض محال آپ امتحان میں کامیاب بھی ہو گئے تو کیا تیر مار لیجئے گا،،

میں نے کہا ,,ڈپٹی کلکٹری، اور اس کے بعد اپنے اجلاس سے تم کو زیر دفعہ ۱۷ (الف) قانون ترمیم فوجداری ۶ ماہ قید سخت اور سو روپیہ جرمانہ یا عدم ادائگی جرمانہ کی صورت میں ۳ ماہ قید مزید کی سزا دوں گا،،

سنجیدگی سے کہنے لگے ,,تم کو اپنے ان الفاظوں پر شرم سے ڈوب مرنا چاہیئے۔ اور مجکو فخر کرنا چاہیئے کہ میں مادر وطن کی خدمت میں جیل جاؤں گا اور ملک و قوم کے لئے قید و بند کے مصائب برداشت کروں گا،،

میں نے کہا ,,تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کالج میں کیوں وقت برباد کر رہے ہیں، گاندھی جی کے آشرم میں جا کر چرخہ چلایئے یا تاڑی کی دوکان پر دھرنا دے کر مزے سے جیل جایئے۔،،

کہنے لگے ,, سچ کہتے ہو مگر میں اپنے والدین کو ابھی ہموار نہیں کر سکا ہوں اور یقین جانو کہ جس دن میں اپنے والدین کو سمجھانے میں کامیاب ہو گیا اسی دن میدان میں آ کر تم کو دکھا دوں گا کہ وطن کے خادم اور آزادی کے فیدائی دنیا کے تمام مصائب کو کھیل سمجھتے ہیں ،،

میں نے عاجزی سے کہا ,, تو بھائی کم سے کم اس وقت تک تو مجھکو بھی آزادی سے پڑھ لینے دو، تمھارے والدین تو شائد تمھارے سمجھانے سے سمجھ بھی جائیں لیکن میرے والدین تو کچھ اس قسم کے واقع ہوئے ہیں کہ اگر میں فیل ہو گیا تو گھر ہی سے نکال دیں گے اور پھر میں کہیں کا بھی نہ رہوں گا ،،

کہنے لگے ,, نہیں تو تم کو پڑھنے کے لئے بالکل منع نہیں کرتا ،،

یہ کہہ کر وہ تو جز خز چلانے لگے اور میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی ایک صفحہ بھی مشکل سے پڑھا ہو گا کہ آپ نے گانا

گانا شروع کر دیا۔

"چرخہ کا تو تو بیڑا پار ہے

ہاں گوئیاں ـــــ چرخہ"

میں نے کتاب تو اٹھا کر ایک طرف پھینک دی اور اس خیال سے کمرے کے باہر نکل گیا کہ اسی وقت کسی دوسرے کمرے میں رہنے کا انتظام کروں گا، ہوسٹل کے تمام لڑکے کتابیں چاٹنے میں مصروف تھے اور میں تھا کہ خانہ بدوش کی طرح گوشۂ امن کی جستجو میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ یہ قیمتی وقت یہ نازک موقع یہ امتحان کی گھڑیاں اور اس زمانہ میں اس ظالم بھائی مقصود کے یہ مظالم، دل چاہتا تھا کہ اس موذی کو گولی مار کر پھانسی پر چڑھ جائیں یا خودکشی کر لیں۔ ہم کو کون اپنے کمرہ میں جگہ دیتا اور کس کی شامت آئی تھی کہ وہ ہمارے بجائے بھائی مقصود کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جاتا۔

مختصر یہ کہ اس معاملہ میں کسی نے بھی ہمارے لئے

یہ عظیم الشان اشتہار نہ کیا البتہ شاہد نے صرف اس قدر
کہا کہ واہ بھائی مقصود کو سمجھائیں گے اور سمجھانے گئے تو
خود مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ انھوں نے کہا

"یہ کیا واہیات ہے"

جواب میں بھائی مقصود نے اپنی تقریر شروع کر دی کہ
"یہ تو خیر سب کچھ واہیات ہے لیکن آپ کو شرم آنا
چاہیئے کہ آپ ولایتی کپڑا پہن کر اپنے ملک کو خود غلامی
کی زنجیروں سے جکڑ رہے ہیں"

شاہد نے کہا "بھائی میں تو ولایتی نہیں دیسی کپڑا
پہنے ہوئے ہوں"

کہنے لگے "یہ کچھ نہیں ہاتھ کا کتا اور ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا
ہونا چاہیئے"

شاہد کے منہ سے نکل گیا کہ

"یہ تمھاری شدت پسندی ہے۔"

اس کے جواب میں بھائی مقصود نے وہ پُرجوش اور

دھواں دھار تقریر کی کہ آس پاس کے کمروں سے تمام لڑکے
نکل کر ہمارے کمرے میں جمع ہوگئے اور ان کو دیکھ کر
بھائی مقصود نے اور بھی پرجوش تقریر شروع کر دی
یہاں تک کہ آخرکار سب کو طے کرنا پڑا کہ آج ہی سہ پہر
کو ہوسٹل میں ایک جلسہ کیا جائے جس میں بھائی مقصود
سودیشی کے فوائد پر تقریر کریں، یہ تجویز سنجیدگی کے ساتھ
پیش کی گئی تھی لہذا تھوڑے بہت انکسار کے بعد بھائی صاحب
موصوف تیار ہو گئے۔ اور ادھر لڑکوں نے اپنا مطالعہ چھوڑ کر
جلسہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ہوسٹل کے تمام طالب علموں
کو اطلاع کی گئی، جلسہ گاہ بنایا گیا، صدر کا نام تجویز ہوا اور
تمام انتظامات سہ پہر تک مکمل ہوگئے ادھر بھائی مقصود بھی
کیل کانٹے سے لیس ہو چکے تھے

مختصر یہ کہ مقررہ وقت پر جلسہ گاہ میں جب حاضرین جمع
ہوگئے تو بھائی مقصود کو بلایا گیا جو اپنے موٹے سے کھدر کے
لباس میں چپل پہنے ہوئے رئیس الاحرار یا شریمان بلکہ مہاتما

بنے ہوئے جلسہ گاہ میں پہونچے اور ان کے پہونچتے ہی تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر اور "اللہ اکبر"، مولانا مقصود زندہ باد مہاتما مقصود کی جے، بندے ماترم، انقلاب زندہ باد، بھائی مقصود سرنگوں باد، ٹوڈی بچہ ہائے ہائے، کے فلک شگاف نعروں سے آپ کا خیر مقدم کیا اور آپ تمام حاضرین کو دونوں ہاتھوں سے سلام کرتے ہوئے اسٹیج پر پہونچ گئے۔ سب سے پہلے شاہد نے کھڑے ہو کر صدارت کے لئے میرا نام پیش کیا جس کی تائید محمود اور اقبال نے کی اور خود میں نے اسٹیج پر پہونچ کر اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کیا، مسعود نے ایک زرتار ہار بھائی مقصود کو اور ایک پھولوں کا ہار خاکسار کو پہنایا جسکے بعد ہی تالیوں سے جلسہ گاہ گونج اٹھا۔

میں نے سب سے پہلے کھڑے ہو کر معزز مقرر کا تعارف حاضرین سے کرایا اور اس کے بعد "اللہ اکبر" ٹوڈی بچہ ہائے ہائے، بھائی مقصود برباد، بندے ماترم، انقلاب زندہ باد، مولانا مقصود کی جے، کے نعرے اور تالیوں

کی گونج کے درمیان بھائی مقصود اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کھڑے ہوئے اور جب حاضرین کا جوش عقیدت سکون پذیر ہوا تو آپ نے گلا صاف کرتے ہوئے کھنکھار کر فرمایا۔

"معزز حاضرین و جناب صدر!

اس سے قبل کہ میں اصل موضوع پر کچھ کہوں مجکو آپ حضرات کا ممنون ہونا چاہیئے کہ آپ نے مجھ ایسے ہیچمداں کو یہ عزت بخشی ہے اور میں آپ کی اس اسپرٹ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے اس قسم کی تقریر کی ضرورت محسوس کی، آپ کے اس احساس سے مجکو یہ بھی امید ہے کہ آپ میں وہ احساس بھی جلد تر پیدا ہو جائے گا جو آپ کو ملک و قوم کے لئے مفید بنا سکے اور آپ وطن کی خدمت کے لئے میدان عمل میں آئیں گے، رہ گیا میں تو میرا تو یہی مقصد ہے ؎

شعلۂ آہ سے اک آگ لگانا ہے مجھے
خود بھی جلتا ہوں قفس کو بھی جلانا ہے مجھے

(واہ واہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ، کے نعرے) لیکن میں آپ حضرات سے بھی یہی کہتا ہوں کہ

کھیتوں کو دے لو پانی اب بہہ رہی ہے گنگا
کچھ کر لو نوجوانوں اٹھتی جوانیاں ہیں

(خوب، بہت خوب، مکرر ارشاد کے نعرے) آپ نوجوان ہیں ملک کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی کو ملک کی آزادی کے لطف اٹھانا ہیں۔ اور آپ ہی اپنے وطن کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرائیں گے، مجھکو معلوم ہے میں جانتا ہوں کہ آپ طالب علم ہیں اور آپ اپنے تعلیمی مشاغل کے ساتھ ساتھ کوئی عملی خدمت انجام نہیں دے سکتے لیکن میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ نمک بنائیں یا پکٹنگ کریں یا جلوس کی قیادت کریں یا جلسوں میں تقریریں کریں یا گرفتار ہو جائیں یا جیل چلے جائیں، بلکہ میں آپ سے صرف ایک خدمت وطن کے لئے استدعا کرتا ہوں جس کو آپ تعلیم کے ساتھ ساتھ انجام دے سکتے ہیں اور وہ خدمت

صرف یہ ہے کہ بدیشی اشیاء کا استعمال ترک کر کے سودیشی اشیاء کا استعمال شروع کریں اور اس طرح اپنی ملکی صنعت کو فروغ دیں (چیرز) آپ کے جسم کھدر کے عادی نہیں ہیں، آپ کے پیر چپل کے خوگر نہیں ہیں، آپ سگرٹ اور سگار کی جگہ بیڑی نہیں پی سکتے،

یہ سب کچھ صحیح ہے مگر کیا آپ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے لئے اس قدر بھی نہیں کر سکتے۔ اگر آپ یہ حقیر قربانی بھی نہیں کر سکتے تو۔

تفو بر تو اے چرخ نیلی تفو

(چیرز، چیرز، چیرز) آپ کو معلوم ہے کہ آپ کون ہیں (آواز جولاہے) ہاں بے شک جولاہے ہیں بلکہ جولاہے سے بھی بدتر کم سے کم اپنی ملکی صنعت کو تو برقرار رکھے ہوئے ہیں آپ تو یہ بھی نہ کر سکے یعنی

اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(چیرز) لیکن آپ کو معلوم ہے کہ آپ جولاہوں پر اپنے

بھائیوں پر کس قدر ظلم ڈھا رہے ہیں ؟ نہیں آپ کو نہیں معلوم، آہ! اگر آپ کو معلوم ہوتا تو آپ ہرگز یہ ظلم نہ کرتے کہ خود تو لنکا شائر اور مانچسٹر کے کپڑے استعمال کر کے ان کارخانوں کو اپنے روپیہ سے مالا مال کر دیتے اور خود ہمارے پیارے بھائی جولاہے (قہقہہ) فاقوں مرتے، افسوس صد افسوس۔

سعدی از دست خویشتن فریاد

اگر آپ ولایتی کپڑا نہ پہنیں تو آپ کو معلوم ہے کیا ہو، ولایتی کارخانے ٹوٹ جائیں، ولایتی مزدور مر جائیں، سرکاری خزانے خالی ہو جائیں، برطانیہ میں قیامت آ جائے، حکومت فاقہ مست ہو جائے، پارلیمنٹ کے ممبران در بدر بھیک مانگتے پھریں، انگریزی سرمایہ داروں کا دیوالہ نکل جائے، اور خدا جانے کیا کیا ہو جائے (چیرز) اگر آپ صرف کھدر پہنتے اور میری طرح چرخہ چلاتے تو نہ گول میز کانفرنس کی ضرورت تھی اور نہ کسی اور تو تو میں میں

کی، صرف یہی چرخہ اور کھدر سوراج دلوا دیتا، حالانکہ میں دعویٰ کر کے کہتا ہوں (میز پر گھونسہ مار کر) اور میرے یہ الفاظ اٹل ہیں (آستینیں چڑھا کر) کہ ہندوستان اب غلام نہیں رہ سکتا اور اس کو میرے ایسے جانباز آزاد کرا کے رہیں گے۔ (چیرز اور قہقہے) میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ حضرات کیوں ہنستے ہیں کیا آپ کو ہندوستان کی آزادی میں کوئی شک ہے۔؟ (آواز ہرگز نہیں، در یں چہ شک) ہندوستان کی غلامی کا دور عالم نزع میں ہے اور ——————

ہوسٹل کے وارڈن صاحب نے عین اسی وقت نازل ہو کر سارا مزا کرکرا کر دیا اور "آرڈر پلیز" کے نعرے نے جلسہ کو قبرستان بنا دیا، بھائی مقصود کو تو معلوم ہوتا تھا کہ سانپ سونگھ گیا لیکن جناب صدر یعنی یہ خاکسار بھی کرسی صدارت کے نیچے ہی نظر آتا تھا، مگر خیریت یہ ہوئی کہ وارڈن صاحب اپنی نیکی یا عقلمندی سے جلسہ کی نوعیت کو نہ سمجھ سکے ورنہ اور آفت آتی۔

غالباً اس کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بھائی مقصود امتحان میں بیٹھ کر شاندار نمبروں سے فیل ہوئے اور ہم کو اپنے اوپر تعجب ہے کہ کیونکر رعایتی درجہ پا سکے۔

بہر حال بھائی مقصود کے جذبۂ قومی یا جذبۂ ناکامی نے ان کی تعلیم چرخہ کی نذر کر دی اور ظالم آسمان نے انکو ہم سے چھین کر چھوڑا دیا ع

"خاک ایسی زندگی پہ ہم کہیں اور وہ کہیں"

ملک التجار

ملک التجار

بھائی مقصود جیسے کچھ بھی تھے لیکن یہ واقعہ ہے کہ انکے دَم سے ایک رونق ضرور تھی اور ان کے کالج چھوڑنے کے بعد سے کالج سے لیکر ہوسٹل تک ہر جگہ اُلو بولتا ہوا محسوس ہوتا تھا نہ وہ چہل پہل تھی نہ وہ گرمیٔ محفل نہ وہ زندہ دلی باقی رہ گئی تھی۔ اور نہ وہ دلچسپی خصوصاً ہمارے لئے تو کالج بالکل ہی تاریک دنیا بن گیا تھا کہ پڑھا لکھا، کھایا پیا اور منہ لپیٹ کر پڑ رہے، اب کس سے بات بات پر اُلجھتے، کس کی باتوں سے بے ساختہ ہنسی آتی، کس کی مونڈن کی دعوت کرتے اور کس کو لیڈر بنا کر جلسے منعقد کرتے، معلوم یہ ہوتا تھا کہ بھائی مقصود اپنے ساتھ ہی کالج کی

زندگی بھی لیتے گئے ہیں، اور اب کالج سوائے مرگھٹ کے کچھ بھی نہیں ہے۔

بھائی مقصود سے خط و کتابت تھی اور ان کے خطوط ہی سے دلچسپی لی جاتی تھی کہ جب کبھی ان کا والا نامہ صادر ہوتا تھا تو تمام ہوسٹل کے طالب علموں کو یکجا کر کے سنایا جاتا تھا اور پھر سب رزولیوشن کی صورت میں متفقہ طور پر ہر خط کا مضمون پاس کرتے تھے جو ان کو لکھا جاتا تھا۔

بھائی مقصود کے خطوط سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ وہ تجارت کی طرف رجوع ہو رہے ہیں، لیکن ابھی ہم یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ وہ کیا کاروبار کرنے والے ہیں اس لئے کہ کبھی تو وہ اپنے خط میں پن چکی کی اسکیم مفصل اور واضح طور پر لکھتے تھے اور کبھی موٹر سروس کے تمام نشیب و فراز سے ان کا مکتوب گرامی بھرا ہوتا تھا۔ ایک خط میں اینٹوں کے بھٹے کا کچھ ذکر تھا اور اس کے منافع کی حوصلہ افزا تفصیل لیکن آخری خط میں انھوں نے لکھا تھا کہ ایک لیتھو پریس خرید رہے ہیں

اور مطبع کھولنے کا ارادہ ہے۔ بہرحال ان تمام باتوں سے صرف ایک نتیجہ نکلتا تھا کہ ان کا ارادہ ملازمت کا نہیں ہے اور وہ جو کچھ بھی کریں گے اس کا تعلق تجارت سے ہوگا۔ آخری خط میں انھوں نے بڑے دن کی تعطیل میں اس خاکسار کو نہایت اصرار کے ساتھ مدعو بھی کیا تھا لیکن ہم نے ان کو لکھ دیا تھا کہ وہ خود ہمارے گھر آئیں اس لئے کہ بڑے دن کی تعطیل میں ہمارا گھر جانا ضروری ہے۔ بڑے بھائی کی شادی ہے اور اس تقریب میں آپ کو بھی جس طرح ممکن ہو شریک ہونا پڑے گا۔ اسی بہانہ سے ملاقات ہو جائے گی۔

بھائی مقصود کے اور ہمارے تعلقات ایسے نہ تھے کہ ہمارے بھائی کی شادی میں نہ آتے چنانچہ وہ آئے اور بیچ کھیت آئے، ان کی تشریف آوری سے ہمارے اہل خاندان کی جو کچھ عزت افزائی ہوئی اس کا تو خیر کوئی ذکر ہی نہیں لیکن خود ہم کو جس قدر مسرت ہوئی اس کا اندازہ

خود نہیں کر سکتے۔

بھائی مقصود بالکل وہی تھے، وہی داڑھی وہی تیور وہی کھدر، وہی چپل، لیکن سنجیدگی ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ زمانہ کے گرم و سرد نے ان کو ٹھوک پیٹ کر کچھ ہموار کر دیا ہے۔ تمام دن تو ہم انتظامات میں ایسے مصروف رہے کہ ان سے بات کرنے کا بھی موقع نہ ملا لیکن رات کو جب ان کے پاس بیٹھے اور گفتگو کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ اللہ اکبر یہ شخص کتنا بڑا تجارتی انسان ہے۔ ہم نے ان سے صرف یہ پوچھا تھا کہ "اب کیا ارادہ ہے؟" کہ انھوں نے اپنی تمام اسکیمیں اگل دیں، منڈے سر پر ہاتھ پھیر کر نہایت تجربہ کارانہ انداز سے کہنے لگے۔

میرا ارادہ تجارت کا ہے اور بھائی تم کو تو اندازہ ہوا ہی ہو گا کہ میں قدرتی طور پر تاجر واقع ہوا ہوں، ہمیشہ سے میری طبیعت کو تجارت سے لگاؤ ہے لیکن میں تجارت کے معاملہ میں بھی بہت بلند خیالات رکھتا ہوں یہ نہیں کہ آٹے دال کی دکان

رکھ کر بیٹھ گئے اور سمجھنے لگے کہ ہم تاجر ہیں، دراصل یہ تجارت نہیں
بلکہ تجارت کی توہین ہے، تجارت تو سلطنت کی تمہید ہوتی ہے
اب تم خود ہی دیکھو کہ انگریزوں کی حکومت کی ابتدا کیا تھی؟
یہی تجارت نا؟ کہو ہاں! تو بھائی میں تو تجارت اس کو سمجھتا
ہوں، یہی وجہ ہے کہ اب تک میں کوئی کام شروع نہیں کر سکا
تجویزیں ذہن میں آتی ہیں لیکن جب ان تجاویز کی تفصیل پر
غور کرتا ہوں تو وہ ناقابل عمل بن کر حوصلے پست کر دیتی ہیں
مثلاً تم ہی دیکھو کہ ابھی تین چار دن ہوئے ایک ترکیب بالکل
الہامی طریقہ پر میرے ذہن میں آئی کہ ایک ایسی ایجنسی قائم کی
جائے جس میں ملازمت ڈھونڈھنے والوں کو ملازمت دلانے
میں مدد دی جائے اور ملازم رکھنے والوں کو ملازم مہیا کرنے میں
امداد، اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ہم اشتہار دیدیں کہ ہم ضرورتمندوں
کو ملازمت دلاتے ہیں اور بہترین ملازموں کا انتظام کرتے ہیں
اس اشتہار کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو ادنیٰ سے ادنیٰ اور
اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت کے متلاشی ہماری خدمات حاصل کرینگے

اور دوسری طرف یہ ہوگا کہ اگر کسی کو چپراسی کی ضرورت ہوگی تو ہم سے کہے گا اور اگر کسی کو کلرک، مختار، خزانچی، اڈیٹر، منیجر، ایجنٹ سکرٹری، ٹائپسٹ وغیرہ وغیرہ کی ضرورت ہوگی تو ہماری ہی خدمات حاصل کرے گا، اس میں ہمارا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم دونوں سے کمیشن لیں گے، ایک سے ملازم دلوانے کا اور دوسرے کو ملازمت، حالانکہ ہم کو کچھ کرنا دھرنا نہیں پڑے گا، دونوں کی درخواستیں ہمارے پاس موجود ہی ہوں گی، بس سلسلہ ملانا ہمارا کام ہوگا، بتاؤ یہ کیسی لاجواب ترکیب ہے؟"

ہم نے اخلاقاً گردن ہلا کر تائید کی تو وہ اپنی چارپائی سے اُچک کر گویا ہم پر چڑھ بیٹھے اور ران پر ہاتھ مار کر کہنے لگے۔

"یار یہ تو ایسی ترکیب ہے کہ اگر اس کو ترقی دی گئی تو ہماری ایجنسی نہ صرف صوبہ کی بلکہ تمام ملک کی واحد ایجنسی ہوگی اور پھر غیر ممالک سے بھی یہ تجارتی تعلقات قائم ہو سکتے ہیں۔"

ہم نے کہا "تو پھر تم سوچتے کیا ہو، بسم اللہ کرو، ترکیب تو اچھی ہے"

منہ چڑھا کر کہنے لگے "یہی تو تم سمجھ نہیں سکتے اور واقعی تم کیسے سمجھو تم کو تجارت کا کیا تجربہ ہے، اس کو میں ہی خوب جانتا ہوں، بات اصل میں یہ ہے کہ اس کے لئے ضرورت ہے مبلغ علیہ السلام کی، اور وہ بھی اس قدر زیادہ کہ میں تو سات مرتبہ مر کر بھی جیوں تو اس قدر روپیہ جمع نہیں کر سکتا۔"

میں نے کہا "روپیہ کی ایسی کیا ضرورت ہے یہ تو ایسا کام ہے جو بغیر روپیہ کے شروع ہو سکتا ہے۔"

تم نہیں جانتے اور واقعی تم کیا جانو اس میں بہت زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے، بات یہ ہے کہ پہلے تو مجھکو تمام کثیر الاشاعت انگریزی اُردو اور ہندی کے اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات دینا ہوں گے جن کے اخراجات ہزاروں تک پہونچیں گے، پھر مجھکو فی الحال کم سے کم دہلی کے بڑے بڑے

شہروں میں شاخیں کھولنا پڑیں گی ہر شاخ میں ایک مینیجر ایک کلرک اور ایک چپراسی ہوگا۔ ان سب کی تنخواہیں اور مکانات کے کرایے اور دیگر اخراجات ملا کر یہ بھی چھ سات ہزار روپیہ ماہوار کا خرچ ہے،،

میں نے کہا،، ہاں یہ تو ہے،،

کہنے لگے ،، گر ہے چلنے والی چیز اور اگر روپیہ ہو تو مالا مال ہو سکتے ہیں،،

میں نے کہا،، بیشک

کہنے لگے ،، تو اس لاجواب ترکیب کو محض روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے عمل میں نہ لا سکے، اس کے بعد ایک اور تجویز ذہن میں آئی۔ یعنی ولایت میں ہندوستان کا آم فروخت کیا جائے۔،،

میں نے کہا،، یہ تو واقعی بادشاہ بنا دینے والی تجویز ہے بس اپنے ہی تک یہ تجویز رکھنا اور چپکے سے یہ کاروبار شروع کر دو، میں سب سمجھ گیا کہ اس میں کیا کیا کرنا ہوگا،

اور کیا کیا اخراجات اور کیا کیا منافع ہوں گے "
مجکو چپ کر کے بولے "تم خاک بھی نہ سمجھے ہو گے کہ میرے ذہن میں کیا ترکیب ہے، تم پہلے یہی بتاؤ کہ ہندوستان کا آم کس طرح لندن صحیح حالت میں پہونچایا جاسکتا ہے؟"
میں نے کہا "یہاں سے خام بھیجا جائے اور برف میں رکھ کر۔"
کہنے لگے "ہشت، کہیں اس طرح آم پہونچ سکتا ہے اول تو خام آم برف میں رکھے جانے کے بعد ٹھٹھر کر رہ جائیگا اور پکے گا نہیں، دوسرے اگر پک بھی گیا تو وہ لطافت پیدا نہیں ہو سکتی جو قدرتی طور پر آم میں ہوتی ہے"
میں نے کہا "پھر کیا بہ ذریعہ تار بھیجو گے؟ یا لندن والوں کو لاسلکی سے کھلاؤ گے؟"
ہنس کر کہنے لگے "تم تو مذاق کرتے ہو خیر مگر میں جو ترکیب تم کو بتانے والا ہوں اُسے سُن کر اُچھل ہی پڑو گے۔"

میں نے کہا، ,,سنوں بھائی میں بھی وہ ترکیب،،
کہنے لگے ,,آم ہندوستان سے ولایت بھیجے بھی جائیں
اور وہ صحیح حالت میں وہاں پہونچ جائیں اس کا صرف
یہ طریقہ ہے کہ بذریعہ ہوائی جہاز بھیجے جائیں،،
میں نے کہا، ,,واقعی ترکیب تو خوب نکالی،،
کہنے لگے ,,مگر سنو تو سہی اس کے اخراجات سنکر
تمھارے ہوش اُڑ جائیں گے۔ سب سے پہلے تو مجکو لکھنؤ،
ملیح آباد، بنارس وغیرہ کے بہترین باغات خریدنا
پڑیں گے، پھر سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ
ہوائی جہاز ذاتی ہو بلکہ زیادہ اچھا تو یہ ہے کہ دو ہوائی
جہاز ہوں ایک مال لیکر جائے اور دوسرا وہاں سے واپس
آجائے، اب ذرا ہوائی جہازوں اور آم کے چند باغوں
کے مصارف اور قیمتوں کا تخمینہ تو کرو۔،،
میں نے کہا، ,,چھ سات ہزار یا اس سے کچھ
زیادہ ——،،

کہنے لگے "چھ سات ہزار، اجی چھ سات لاکھ کہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ"

میں نے کہا "پھر؟"

کہنے لگے "پھر کیا؟ نہ چھ سات لاکھ کبھی ہوں گے نہ یہ اسکیم پوری ہوگی"

گھڑی نے ٹن ٹن ٹن کرکے ۳ بجائے میں نے انگڑائی لیکر کہا۔

"اچھا اب سو جاؤ صبح باتیں ہوں گی۔"

کہنے لگے "بیٹھو تو ابھی تم نے سنا ہی کیا ہے، صرف دو گھنٹہ تو اور رات ہے، کیا کروگے سو کر، ایک ترکیب ایسی ہے کہ تم ہی داد دے سکتے ہو"

میں نے جمھائی لیتے ہوے کہا "وہ کیا؟"

کہنے لگے "وہی جو میں نے تم کو ایک مرتبہ لکھا تھا موٹر سروس کے متعلق، اس کو خدا جانے تم نے کیا سمجھا تھا، میرا مقصد یہ تھا کہ ان مقامات پر موٹر سروس شروع کی

جائے جہاں نہ تو ریل ہے نہ کوئی اور سواری آسانی سے جاسکتی ہے اس کے لئے ہم خود سڑکیں بنوائیں گے اور ان سڑکوں پر اپنی لاریاں چلائیں گے، ہماری سروس تمام ہندوستان میں ہو گی، لیکن اس کے اخراجات بھی ہوائی جہاز سے کم نہیں ہیں بلکہ زیادہ ہی ہیں لہذا یہ اسکیم بھی ابھی تک محتاج کل ہے۔"

میں نے کہا "بھائی یہ تجویز تو کچھ نہیں"

سیلنہ پر چڑھ کر بولے "کیا کہا؟ یہ تجویز کچھ نہیں، کیا بتاؤں میرے پاس روپیہ نہیں ہے ورنہ تجویز کو عمل میں لا کر دکھا دیتا کہ کیسی ہے یہ تجویز"

میں نے کہا "نہیں بھائی میرے ذہن میں نہیں اتری ورنہ ——"

کہنے لگے "تم ان تجارتی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے مجھکو تو تجربہ ہے اس کا اس کو تو کچھ میں ہی خوب سمجھ سکتا ہوں، اس میں ایک نکتہ اور بھی ہے کہ ہماری بنوائی ہوئی سڑکوں کو کوئی اور

استعمال نہیں کرسکتا اور اگر استعمال کرے گا تو اس کو ٹیکس دینا ہوگا۔۔،،

میں نے کہا ،، بھائی اب نیند کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔۔،،

کہنے لگے ،، تو یہ کیوں نہیں کہتے ہو، تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ تجویز ہی کچھ نہیں ہے، اچھا جاؤ سو رہو، پھر صبح اور تجویزیں بتائیں گے، حالانکہ اب سو کر اپنی طبیعت خراب کروگے،،

اس وقت تو خیر نجات مل گئی لیکن دوسرے دن صبح سے لے کر شام تک اور شام کے بعد سے بھائی مقصود کی ٹرین کے وقت تک بس وہ اپنی کارد باری اسکیمیں بتاتے رہے لیکن ہر تجویز ایسی تھی کہ اگر اس کو ملک معظم بطور کاروبار عمل میں لانا چاہیں تو شائد کامیاب ہو جائیں، ہم ایسے فاقہ مست تو کبھی قیامت تک بھی کامیاب نہیں ہوسکتے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بھائی مقصود کے خطوط میں کوئی نہ کوئی نئی اسکیم تو ہوتی ہی

لیکن تادم تحریر ہم کو یہ اطلاع نہیں ملی ہے کہ وہ کوئی کاروبار بھی کر رہے ہیں اور نہ ہم کو امید ہے کہ کبھی وہ کچھ کریں گے، البتہ ان کا دماغ ضرور اس قابل ہے کہ مغربی تاجر اِن کا سر کٹوا کر رکھ لیں۔

سجّاده نشین

سجادہ نشین

تعجب ہے کہ بھائی مقصود اپنے متعلق ایک ایک بات اور پوشیدہ سے پوشیدہ راز خواہ وہ ہمارے لئے باعث دلچسپی ہو یا نہ ہو اپنے خطوں میں لکھ کر بھیجد یا کرتے تھے لیکن اپنی سجادہ نشینی کی داستان انھوں نے کبھی نہ لکھی اور اپنے کسی خط میں اس طرف اشارہ بھی نہ کیا کہ وہ اس قدر مقدس انسان بن گئے ہیں، ہم کو تو یہ قصہ اس وقت معلوم ہوا جب انھوں نے حضرت مخدوم گلزار شاہ قدس سرہٗ کے عُرس مبارک کا دعوتی کارڈ بھیجا جس کے نیچے داعی کا نام "شاہ مقصود عالم سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم

گلزار شاہ قدس سرہٗ ،، لکھا ہوا تھا۔
ہم نے پہلے تو کارڈ کو بار بار آنکھیں مل مل کر دیکھا اور پھر نہایت بیتابی کے ساتھ ہوسٹل کے ان تمام ساتھیوں کو دکھایا جو بھائی مقصود ، لاحول ولا قوۃ بلکہ استغفر اللہ شاہ مقصود عالم کے بھی ساتھی رہ چکے تھے ، اس کارڈ کو دیکھ کر سب کی متفقہ رائے یہی ہوئی کہ جس طرح بھی ہو سکا عرس میں سب کے سب شریک ہوں گے اور بھائی مقصود کی سجادہ نشینی دیکھیں گے ، چنانچہ تاریخ مقررہ پر یہ قافلہ نجیب آباد روانہ ہو گیا ، اور بھائی مقصود کو اطلاع دیدی کہ ہم سب آ رہے ہیں۔

اسٹیشن پر پہونچ کر ہم کو امید تھی کہ خود بھائی مقصود استقبال کے لئے موجود ہوں گے لیکن ہم کو تعجب ہوا کہ وہ نہ تھے ، البتہ دو خدام درگاہ ہم کو اسٹیشن پر ملے۔

میں نے پوچھا ،، شاہ صاحب نہیں آئے ،،

جواب ملا ،، حضور ، میاں صاحب قبلہ اس وقت غسل شریف

میں تھے اور اب محفل سماع میں ہوں گے،،

ہم لوگ بھی اسٹیشن سے پہلے تو درگاہ شریف سے متعلق مہمان خانہ میں گئے اور وہاں سے براہ راست محفل سماع میں پہونچ گئے جہاں ایک مجمع لگا ہوا تھا اور ڈھولک کی تھاپ کے ساتھ۔ ع

دل بُردی و جاں بُردی بیتابؔ تواں کردی

کی تکرار جاری تھی، ہم بھی مجمع کو ہٹاتے ہوئے کسی طرح آگے بڑھے، دیکھتے کیا ہیں کہ ایک مسند پر گاؤ تکیہ سے لگے ہوئے حضرت شاہ صاحب قبلہ بیٹھے جھوم رہے ہیں۔ آنکھیں نیچی ہیں اور چاروں طرف نور کی بارش ہو رہی ہے، داڑھی تو خیر وہی ہے لیکن مُنڈے ہوئے سر کے بجائے اب معطر اور بلدار کاکلیں شانوں پر لہرا رہی ہیں، گلے میں ہار پڑے ہوئے ہیں، ہاتھوں اور پیروں میں مہندی لگی ہوئی ہے، گیروے رنگ کا کرتہ گلے میں ہے اور زرد رنگ کی تہبند ہے، ایک پشت خار ایک خاصدان ایک

اُگالدان سامنے رکھا ہوا ہے پیچھے ایک خادم درگاہ چنور لئے کھڑا ہے اور دوسرا دستی کھجور کا پنکھا فراٹے کے ساتھ جھل رہا ہے۔ آپ کے ارد گرد معتقدین دوزانوادب سے گردن جھکائے ہوئے بیٹھے جھوم رہے ہیں، اور کبھی کبھی کوئی شخص روپیہ لے کر آگے بڑھتا ہے تو آپ اس کو لیکر اپنے دست مبارک سے قوال کو دیدیتے ہیں۔

ہمارے رہنما خدام جو ہم کو اسٹیشن سے لائے تھے پہلے ہی بتا چکے تھے کہ ہم کو بھی نذر پیش کرنا ہوگی، لہٰذا ہم سب کی مٹھی میں ایک ایک روپیہ تھا اور ہم موقع کی تلاش میں تھے کہ کس طرح شاہ صاحب قبلہ کی قدمبوسی حاصل کریں، کہ یکایک شاہ صاحب نے بڑی زور سے

"دل بُردی" کا نعرہ لگایا "حق ہے" اور سر کو کاکل جھٹکار انداز سے پے در پے جنبش دے کر

"دل بُردی، دل بُردی، حق ہے، دل بُردی" کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے، ان کے ساتھ ہی تمام حاضرین محفل

مع قوالوں کے کھڑے ہو گئے اور قوالوں نے اور بھی گلا پھاڑ پھاڑ کر "دل بُردی، دل بُردی" کی تکرار شروع کر دی۔

اب شاہ صاحب بھاؤ بتا بتا کر ناچ رہے تھے، قوالوں پر روپیہ کی بارش ہو رہی تھی اور وہ بھی اسپر تُلے ہوئے تھے کہ اگر آج "دل بُردی" کہتے کہتے ان کی جان بھی نکل جائے گی تو کوئی پروا نہیں بلا سے روپیہ تو گھر بھر دے گا۔ شاہ صاحب تھے کہ رقص کے تمام کمالات صرف کئے دیتے تھے۔ آخر کار تھک کر شاہ صاحب قبلہ سجدہ میں گر گئے۔ لیکن "دل بُردی" کا وظیفہ اب بھی زبان مبارک پر تھا۔

ہم لوگوں کا ہنسی کے مارے بُرا حال تھا لیکن حاضرین میں سے ایک بزرگ برابر ہم کو منع کر رہے تھے کہ بُری بات ہے، میاں صاحب قبلہ کو تو حال آرہا ہے اور تم ہنستے ہو۔

میاں صاحب بڑی دیر تک سجدے میں پڑے "دل بُردی" کرتے رہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ قوالوں کے جان دینے سے پہلے ہی اُٹھ کر آدمیوں کی طرح اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، ان کے ساتھ تمام حاضرین بھی بیٹھے اور قوال بھی اس "دل بُردی" کے کھانچے سے آگے بڑھے ورنہ ابتک تو یہی معلوم ہو رہا تھا کہ گراموفون کے کسی خراب ریکارڈ پر سوئی اٹک کر رہ گئی ہے۔ خدا خدا کر کے اس قیامت نے دم لیا اور ہماری ہنسی بھی رُکی تو ہم سب نے آگے بڑھ کر یکے بعد دیگرے نذریں پیش کیں۔

شاہ صاحب نے ہم سب کو نہایت محبت سے اپنے پاس ہی بٹھالیا اور حکم دیا کہ چیز کی بدل دی جائے، ابکی مرتبہ کوئی بی صاحبہ چمکتی ہوئی آگے بڑھیں اور ہزاروں مرتبہ لطیف کھنکھاروں کے بعد گلا اور ریشمی رومال سے لبہائے رنگیں کو صاف کر کے وہی بکا گانا شروع کر دیا جو قیامت تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا تھا اور نہ ہم سمجھے لیکن شاہ صاحب تھے کہ

ماہرین فن موسیقی کی طرح گردن اور بھویں چلا رہے تھے اور وہ مسماۃ تھیں کہ شاہ صاحب کو سلام پر سلام کر رہی تھیں خدا خدا کر کے ان کی یہ فقیرانہ صدا ختم ہوئی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ انھوں نے ع

نظارہ کا نظارہ رو پوشی کی رد تو ہی

شروع کر دی، ایک تو جوش کی غزل پھر ان مسماۃ کی آواز اور سب سے زیادہ قیامت یہ کہ کڑیل جوان سجادہ نشین، نتیجہ یہ ہوا کہ ان بی صاحبہ کو بالکل شاہ صاحب کے منہ کے قریب آکر گانا سنانا پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ شاہ صاحب کی آغوش مبارک میں بیٹھی ہوئی گا رہی تھیں اور شاہ صاحب آنکھیں بند کئے ہوے خدا جانے کن روحانی منازل میں گم تھے البتہ ہم لوگوں کو پسینے آ رہے تھے کہ ہم اسقدر قریب کیوں بیٹھے ہیں کہ یکایک شاہ صاحب قبلہ نے کالیں پھٹکار کر اور ان مسماۃ کے سر نیاز نہیں بلکہ سر ناز پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ع

یہ حسن فروشی کی دوکان ہے یا چلمن

اور ادھر چار پانچ معتقدین نے روپیہ لاکر پیش کیا جو شاہ صاحب کے ہاتھ سے ہوتا ہوا بی صاحبہ کے ہاتھ میں اور بی صاحبہ کے ہاتھ سے ہوتا ہوا اُستاد جی کی سارنگی میں پہنچ گیا لیکن شاہ صاحب تھے کہ برابر عالم وجد میں مغنیہ کو "لختِ جگر" بنائے جاتے تھے اور ہم تھے کہ شرم سے کٹے جاتے تھے۔ وہ تو کہئے کہ عین اسی وقت مغرب کی اذان ہوئی اور محفل سماع برخاست ہوئی، ہم نے دل میں کہا ؎

موذن مرحبا بر وقت بولا
تری آواز مکے اور مدینے

شاہ صاحب بھی کھڑے ہو گئے اور ہم سب کو لیکر اپنی نشست گاہ میں پہونچے حالانکہ ہم سمجھے تھے کہ مسجد جائیں گے بلکہ جب ہم نے کہا کہ نماز نہیں پڑھ ہو گے تو ایک خادم کو حکم دیدیا کہ آپ کو مسجد پہونچا دو اور خود وہیں بیٹھے رہے۔

جب ہم مسجد سے واپس آئے تو شاہ صاحب کا کمرہ اِندر کا اکھاڑہ ہو رہا تھا اور خود شاہ صاحب پریوں کے بیچ میں راجہ

اندر بنے بیٹھے تھے - ایک طوفان رنگ و بو تھا جو ہوش و
حواس کو اُڑائے لئے جا رہا تھا،

ہم لوگوں کو بھی اسی پرستان میں بیٹھنا پڑا بعض اوقات
تو مقصود کے حالات مضحکہ خیز اور شرمناک معلوم ہوتے تھے لیکن اس
وقت سچ پوچھئے تو وہ ایک قابل رشک شخصیت بنا ہوا بیٹھا تھا
کہ کوئی تو اپنے دست ناز پر اسے گلوریاں بنا بنا کر دے رہا تھا
کوئی اپنی نازک کلائیوں سے پنکھا جھل رہا تھا، کسی سے شاہ صاحب
ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے اور کوئی شاہ صاحب سے
روٹھ روٹھ کر اپنی کافر برہمی سے فضاؤں کو حسین بنائے دیتا تھا
مختصر یہ کہ ہمارے لئے یہ وقت سخت ترین امتحان کا وقت تھا -
اور ہم کو خود حیرت ہے کہ اس جاں طلب ماحول میں ہم کس طرح
زندہ رہ سکے، آپ کہیں گے کہ بے عزت تھے۔

شاہ صاحب نے قیامت بالائے قیامت یہ فرمائی کہ ایک موقت
کی فرشتہ صاحبہ سے ہم لوگوں کا تعارف کرا دیا اور اس ایک
تعارف نے تمام حاضرات کو ہم لوگوں کی طرف متوجہ کر دیا، لگن

ہاتھوں سے کمانی دار سلام ہونے لگے اور مجبوراً ہم کو بھی گردن جھکا کر اور آنکھیں چورا کر جواب دینا پڑے، پھر قیامت یہ آئی کہ ہم کو بھی انھیں ہاتھوں کی بنی ہوئی قاتل گلوریاں کھانا پڑیں یعنی

زہر دے اسپہ یہ تاکید کہ کھانا ہوگا

غالباً شاہ صاحب نے ہم کو خوش کرنے کے لئے ایک بائی جی کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"کیا آپ کو میرے احباب کی صحبت سے الجھن ہو رہی ہے؟"

بائی جی نے غارت گر تبسم کے ساتھ فرمایا "آپ تو میاں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں"

ہم سے شاہ صاحب نے فرمایا۔ "صاحب یہ بھی بڑی چیز ہیں جب آپ مفصل طور پر ملیں گے تو پتہ چلے گا"

ایک اور نازک بدن نے کہا "میاں یہ مفصل ملاقات کیسی؟"

ہنس کر بولے "تم بڑی شریر ہو" اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

"واقعی یہ عجیب چیز ہیں، گلا تو ماشاء اللہ ایسا پایا ہے کہ

انسان کو پاگل بنا سکتی ہیں اور پھر مذاق بہت بلند ہے جو سُناتی ہیں قیامت کی چیز سُناتی ہیں مگر یہ آپ حضرات سے کچھ خوش نہیں ہیں یہی وجہ ہے کہ اب تک انھوں نے کچھ نہیں سُنایا۔

میں نے کہا "تو آپ فرمائیے کہ ہم لوگوں کو محروم نہ رکھیں۔"

کان پر ہاتھ رکھ کر بولے "نا بابا میں اتنی جرائت نہیں رکھتا۔ میں تو ان کو اپنی سرکار سمجھتا ہوں"

بائی جی نے ٹھنک کر کہا "واہ میاں ہم کو یہ باتیں نہیں اچھی لگتیں"

بائی جی کی والدہ نے کہا "تو سُنا دو کچھ میاں تو ہمیشہ اسی طرح فرمایش کرتے ہیں"

بائی جی نے اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل میں بغیر ساز کے گلا صاف کر کے فانیؔ کی غزل شروع کی۔ ع

اک برق سر طور ہے لہرائی ہوئی سی

واقعی بائی جی بہترین مغنیہ تھیں مگر ایسی بھی نہیں کہ پہلے ہی مصرع

سے بھائی مقصود پر نزع کا عالم طاری ہو گیا، انکی کا کلیں ہلنے لگیں ادہر اُدہر بیٹھے ہوئے لوگوں پر دہشت پڑنے لگی "حق ہے" کے نعرے بلند ہونے لگے اور جس وقت بائی جی نے یہ شعر پڑھا ہے ؎

اک عالمِ دل ہے یہی دنیا یہی فردوس
ہر شے نظر آتی ہے نظر آئی ہوئی سی

بس بھائی مقصود "الا اللہ" کہہ کر اچک پڑے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے سینہ سے تیز قسم کی روشنی بجلی کی طرح تڑپ کر نکلی اور غائب ہو گئی۔ ادہر کل حاضرین اور حاضرات فوراً سجدے میں گر پڑے اور ہم لوگوں پر بھی اس معجزے سے وہ دہشت طاری ہوئی کہ سب اپنی اپنی جگہ پر کانپنے لگے اور وہ بائی جی بھی ششدر ہو کر رہ گئیں۔

شاہ صاحب پر اب سکوت کا عالم طاری تھا اور تمام حاضرین اور حاضرات دم بخود بیٹھے تھے۔ ہم لوگ بھی نقش حیرت بنے ہوئے اس معجزے پر غور کر رہے تھے کہ شاہ صاحب نے تخلیہ کا

حکم دیا اور سوائے ہم لوگوں کے سب کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔
اب بھائی مقصود کے تقدس کا ہم لوگوں پر بھی سکہ بیٹھ گیا تھا بلکہ ہم لوگوں کے لئے تو وہ نہایت خوفناک چیز بن گئے تھے۔ مگر جب سب چلے گئے تو بھائی مقصود نے اپنی پرانی بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنا شروع کر دیں۔

"ہاں جی اب بتاؤ کیا حال چال ہیں"

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "حضور کی دعا چاہئے"

کہنے لگے "تمھارے لئے میں حضور تھوڑی ہی ہوں حضور وہ کہتے ہیں جن کے سامنے مجھکو مجبوراً یہ مکر دغا و فریب بن کر بیٹھنا پڑتا ہے ورنہ میری کوئی وقعت ہی نہ ہو"

میں نے پھر دست بستہ کہا "حضور یہ کیا فرما رہے ہیں۔ آپ کا مرتبہ ہم گناہ گاروں سے بہت بلند ہے، آپ خدا سے نزدیک تر ہیں اور خدا کے محبوب بندوں میں سے، آپ کے دل میں طور والی تجلی آج بھی فروزاں ہے۔"

قہقہہ لگا کر اور ادھر اُدھر دیکھ کر بولے "تم بھی بڑے

بیوقوف ہو، ارے یار یہ تو ان گدھوں کو بیوقوف بنانے کے ہتھکنڈے ہیں نہ کوئی تجلی ہے نہ تجلی البتہ یہ دیکھو ایک بیٹری ضرور لگی ہوئی ہے جس کا بٹن دبانے سے کرتے کے نیچے روشنی ہو جاتی ہے اور یہ جاہل اس کو میرا شعبدہ بلکہ معجزہ سمجھتے ہیں بھائی یہ بھی ایک تجارت ہے اور کچھ نہیں اور اگر میں یہ تر کیبیں نہ کروں تو یہاں نہ یہ چہل پہل ہو نہ یہ میرا مرتبہ"

ہم سب نے حیرت سے ہنس کر کہا "یار تم بڑے بھاری ڈاکو ہو"

کہنے لگے "بس چپ رہو، چلو درگاہ شریف چلیں فاتحہ تو پڑھ لو"

ہم سب کو لے کر شاہ صاحب مزار شریف پر گئے جہاں کوئی تو راستہ میں شاہ صاحب کے قدموں کی خاک اپنے بیمار عزیزوں کو چٹانے کے لئے اٹھاتا تھا اور کوئی اپنے بچوں کے کپڑے شاہ صاحب کی تہبند مبارک سے چھوا لیتا تھا اور مصافحوں کا تو یہ حال تھا کہ ایک قدم چلنا بھی مشکل تھا بہ مشکل

تمام ایک گھنٹہ کے بعد درگاہ شریف پہونچے جہاں ہم لوگوں نے فاتحہ پڑھی اور شاہ صاحب نے خدام درگاہ کو حکم دیا کہ ہم لوگوں کے ساتھ خاص قسم کا تبرک کر دیا جائے۔ چنانچہ نہایت اعلیٰ قسم کی سیر سیر بھر مٹھائی ہم میں سے ہر ایک کے لئے لے لی گئی اور گلگلے اس کے علاوہ تھے۔

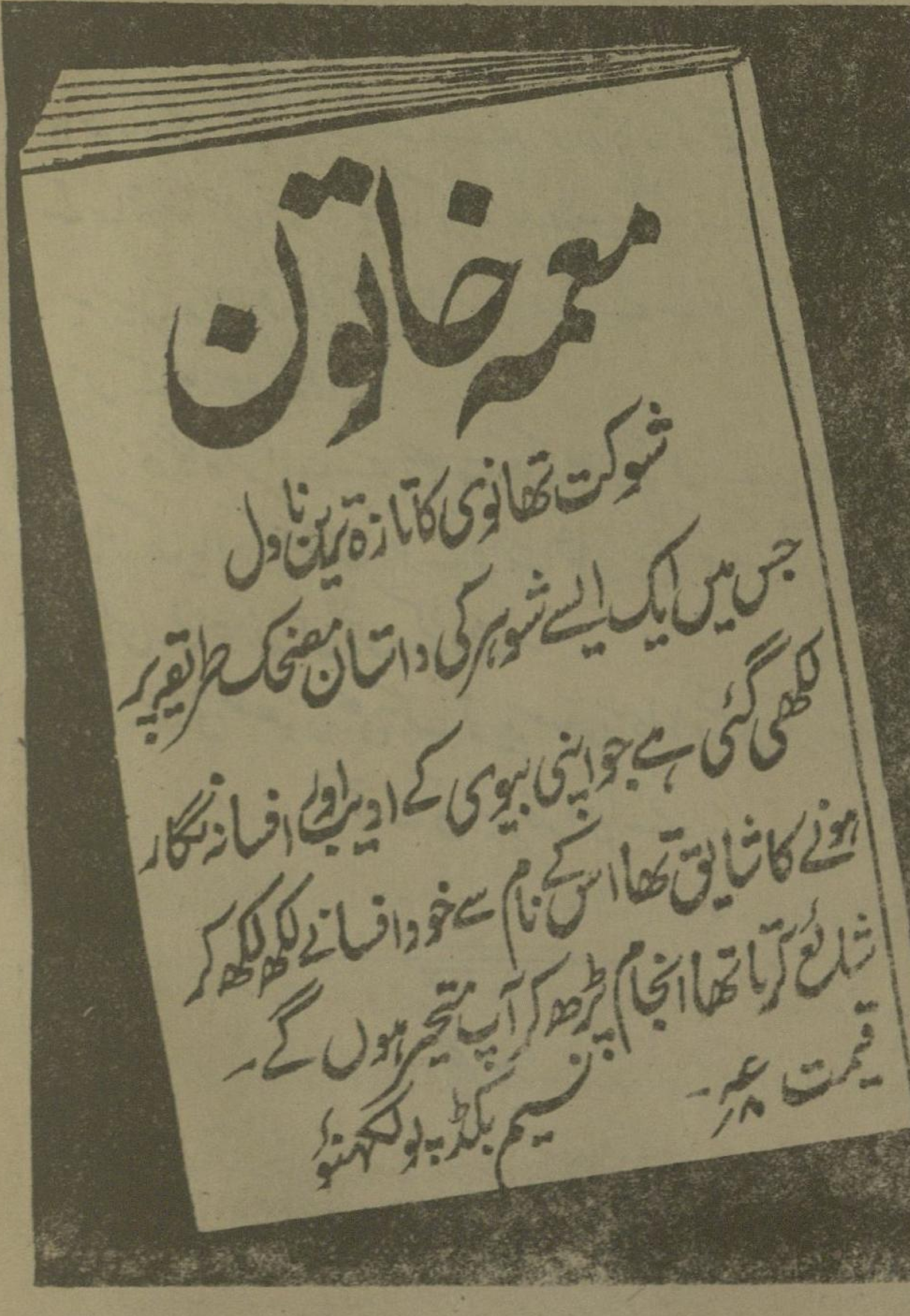
درگاہ شریف سے رخصت ہو کر ہم لوگوں نے نہایت پرتکلف کھانا کھایا اور رخصت ہوتے وقت شاہ صاحب سے وہ روپے چھین لئے جو نذر میں پیش کئے تھے۔

بھائی مقصود ابھی تک تو بدستور سجادہ نشینی کر رہے ہیں۔

عاقبت کی خبر خدا جانے

ختم شد

(دکان جمیل)


معمہ خاتون
شوکت تھانوی کا تازہ ترین ناول
جس میں ایک ایسے شوہر کی داستان مضحک طریقہ پر
لکھی گئی ہے جو اپنی بیوی کے ادیبہ اور افسانہ نگار
ہونے کا شایق تھا اس کے نام سے خود افسانے لکھ لکھ کر
شائع کرتا تھا انجام پڑھ کر آپ متحیر ہوں گے۔
قیمت عہ
نسیم بکڈپو لکھنؤ

شوہر کا روگ

نسیم انہونوی کا المیہ افسانہ

جس میں ایک ایسی خاتون کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں جسے شوہر کے لئے طرح طرح کے مصائب برداشت کرنا پڑے سماج نے کس طرح عورت کو جنس مجبور بنا رکھا ہے اسی نظریہ کے پیش نظریہ دردناک کہانی لکھی گئی ہے۔ شوہر کو ایک کھیل سمجھنے والی لڑکی جب جوان ہو کر شوہر والی ہوتی ہے تو اس پر کیا کیا آفتیں آتی ہیں۔ اس افسانہ کو شروع کرنے کے بعد ختم کئے بغیر آپ کو چین نہ آئے گا۔ اس ایک مصیبت زدہ عورت کی کہانی میں سیکڑوں مصیبت زدہ عورتوں کے اندوہ و غم کے عکس نظر آئیں گے۔ نیا اڈیشن بہترین کاغذ خوبصورت جلد کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت عہ/ نسیم بکڈپو لکھنؤ

شیطان کی ڈائری

شوکت تھانوی کے مضامین کا مجموعہ

جس میں انھوں نے شیطان کا روزنامچہ مرتب کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ شیطان سے زیادہ دراصل انسان خود شیطان واقع ہوا ہے ہر روزنامچہ آپکو ایک طرف تو ہنسنے پر مجبور کرے گا دوسری طرف آپ اسے پڑھ کر عبرت حاصل کرینگے قیمت ۸؍ نسیم بکڈپو لکھنؤ